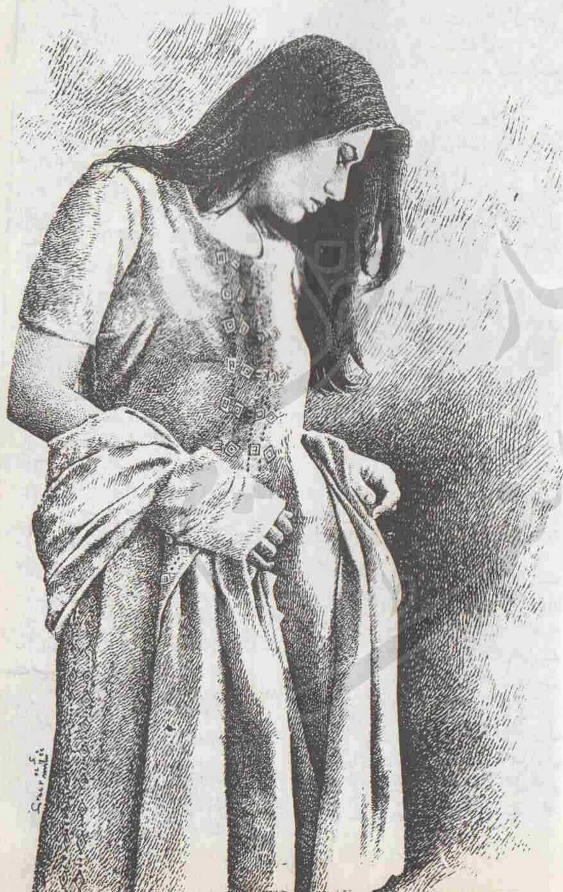


بڑی مہارت سے لینڈ سکیپ بناتے ہوئے رک کر اس نے چند لمبے بڑے غور سے دیکھا اور مطمئن ہو کر دوبارہ برش کیٹوں پر چلانے لگی۔ اس کا فنی شاہکار اختتامی سراصل طے کر رہا تھا سو وہ بے حد دیکھی سے اسے کام میں توجہ کی کہ اطلاعی ٹھنٹی زور و شور سے بجتی تھی۔ رائیل ٹیم نے جھنجھلا کر گیٹ کی سمت دیکھا۔ گیٹ کبیر وہاں نہیں تھا۔ احم کارڈور میں بھی رسالہ پڑھ رہی تھی گردو پیش سے بے نیاز۔ رائیل نے بڑبڑا کر ہاتھ میں پکڑے برش کو وافر ٹکر میں ڈبو کر لینڈ اسکپ کو فاصل بچھ دینے کی کوشش کی تو ڈور تیل ایک بار پھر گونج اٹھی۔ گیٹ کھولنے کوئی جا رہا نہیں تھا اور آنے والے کے اندر جانے کیسی ہے صبری بھی کہ وہ یمن پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا بیٹھ چکا تھا۔ زنج ہو کر اس نے برش چٹا اور تنہائی ہوئی لان میں سے پیرونی گیٹ کی جانب جانے لگی۔

مکمل ناول



اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

135/-	اردو کی آخری کتاب
200/-	خمار گندم
225/-	دنیا گول ہے
200/-	آوارہ گردی ڈائری
200/-	ابن ابیہوط سے تعاقب میں
130/-	چلتے ہو تو چپن کر چلئے
175/-	نگری میری پھر اسافر
200/-	خطہ انسانی کے
165/-	بستی کے اک کوپے میں
165/-	چاندگر
165/-	دل وحشی
250/-	آپ سے کیا پردہ
	ڈاکٹر مولوی عبدالحمید
200/-	تو ادا اردو
160/-	انتخاب کلام ہیر
	ڈاکٹر سید عبداللہ
160/-	طیف مشرق
120/-	طیف غزل
120/-	طیف اقبال
	لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
	فون نمبر: 7321690-7310797

ہے۔“ دماغ اچھا خاصا گھوم کر رہ گیا تھا۔
وہ اپنے اکل سے ملتا ہے۔“ غصہ ضبط
کر کے وہ بچپن کی یادیں سے بولا۔
”وہ بچ کر کے لوٹے ہیں جو ان سے ملنا
ہے۔“ رائیل نے منہ بنا کر کہا۔
”آپ انہیں انعام کریں کہ انہیں سے
شاہ زحیب آیا ہے۔“ وہ اس کے طنزیہ سوال کو
نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔
”کہہ دو ایسے رہے ہیں جیسے ڈاکٹر عبد
القدیر خان ہوں کہ وہ نام سننے ہی پہچان میں
گئے۔“ رائیل کا استہزاء اسے اتنا تپا گیا کہ وہ
شاید غصے میں ایک پتھر جڑی پڑ دیتا ہوتا صاحب
سامنے سے آئے دکھائی دینے تو وہ دوبارہ کھوپڑ
کر کے ان کی طرف بڑھا۔ رائیل نے پلٹنے کے
ارادے سے قدم اٹھائے تو تھک کر رک گئی اس
کے پایا آنے والے شخص کو گلے لگانے کے بعد
پیشانی پر یوسر محبت ثبت کر رہے تھے اور یہ انداز
نہا رہا تھا کہ آنے والے شخص کا مقام ان کے
زردیک بہت خاص اور اہم ہے اس لئے وہ اس
شفقت کا حق نہیں رہا ہے۔ ورنہ یہ لکھنا محبت
اپنی اولاد کے ساتھ بھی وہ ان کی بڑی کامیابی
پر ہی برتتے تھے جاکہ کوئی انہیں اس پیرانہ
شفقت کا حصہ دار نہ بناتا۔ چاندیاں باز اس شخص
کے شانوں پر دراز کھینچے وہ اسے لاؤنج میں لے جا
رہے تھے جو ایک اور حیران کن بات تھی کیونکہ
صرف اپنے قریبی عزیزوں کے علاوہ ہرمیان کو
ڈرائنگ روم میں ہی بٹھایا جاتا تھا جو باہر کی جگہ
سے بہت گراٹیک جانب تھا۔
”اگر اس شخص نے پایا کو میری بدگلی اور
بدتمیزی کے متعلق بتا دیتا ہے
اس کو توشیح نے آ میرا۔“
”میرے بولنے کی بات نہیں ہے اور پھر
میں نے کون کی غلطی کی ہے اب بھلا مجھے کیا
معلوم تھا پایا سے اس کا اتنا قریبی تعلق ہو سکتا
ہے۔“
اس نے نام نہون نہیں سیکھا تھا۔ اس لئے
جلدی ہی شرمندگی کے حصار سے باہر نکل آئی اور سر
جھٹک کر کارڈیور کی جانب بڑھنے لگی۔
”کون تھا؟“ ائم رسالہ بند کر کے اسے
دیکھنے لگی۔
”جاگ گئی تم؟“ وہ طنز سے بولی۔
”میں سوک رہی تھی افسانہ پڑھ رہی تھی
اس لئے اٹھنے کو لی نہیں چاہا۔“
”اور پڑھتے ہوئے ہمیشہ کانوں میں روٹی
ٹھونس کر دینا، مانہا سے بے خبر ہو کر تھیں ہو کر کسی
دن اسی حالت میں میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ
گی۔“
”ذرا سا گیسٹ ہی تو کھولا ہے تم نے اسی پر
اتنا غصہ اچھا ہے تھو پھر گلے سے مل کر آرام بھی
انسان کو سانس کیس بنا دیتا ہے۔“ ائم مزے
سے بولی۔
”بچھلے جا رہے ہیں ایک ہی یوزریشن میں
کھڑی لینڈ ایکسپ بنارہی تھی اور میں اسے مسلسل
آرام کہہ رہی ہو خود تو مجھے چلے جاتی ہو سوائے
کیبل پر دوامز دیکھنے رسالے پڑھنے کے کچھ
نہیں کر تیں میرا تو ایک جبر اکائی میں دوسرا
دیکھ میں تو میرا کالج میں۔“ رائیل تپ کر کہہ
رہی تھی۔
”تو کالج، اکیڈمی، گھر تھیں جگہ رنگوں سے
کھیل کھیل کر وقت، پشاور اور انرجی خواہ مخواہ پر باد
کر رہی ہو اس کے بجائے پیپر ٹورس، ٹیکسٹائل،
ڈیزائننگ یا یوٹیشن کی کلاسز لے تیں تمہارے
ساتھ اوروں کا بھی بھلا ہوتا۔“ ائم کے تاسف
زدہ لہجے پر وہ تپ کر بولی۔
”مجھے کچھ کوڑھ مغز بند ہے فائن آرٹس کی
قد کیا جا میں صرف تمہارے جیسے ناقد رسناش
ہوتے ہیں جو تھتے فنکاروں کا فن انہی طنزیہ
باتوں سے ان کے اندر ہی ختم کر دیتے ہو اور

”اب دوسروں کے سامنے بھی پایا۔ پہلے تو ایسے نہیں تھے پھر ایک یوں؟“
رائیل کے ہاتھ کو سر نہیں اڑھا تھا۔ جس کے ذریعے وہ ماما، پاپا کے اس رویے کو چاچا پائی۔

”تو تمہیں گھر میں قدم رکھنے سے پہلے ہی پتا چل گیا وہ کیسی ہے؟“
شبانہ بیگم نے کچنی کو دائیں ہاتھ سے دبا تے ہوئے شاہ زریب کو دیکھا جو ان کے سامنے بیٹھا اپنے آنے کے بارے میں بتا رہا تھا۔
”ہم ٹینشن مت لیں چچی سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ شاہ زرنے ان کے ہاتھ تھام کر حوصلہ دیا۔

”تم نہیں جانتے شاہ زردہ بہت زیادہ گاڑ چکی ہے کچھ تو بچپن سے غریبی اور ضدی رہی ہے کچھ ہم سب کی بے تحاشا شوخ نے کام خراب کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے اپنی سن ماری کرنے کی عادت پڑ چکی ہے۔ لگاؤ نیز سب بھول گئی اور لڑکی کے لئے یہ عادت اچھی نہیں ہوئی آخر آگے چل کر اسے ایک گھر سنبھالنا ہے۔ تو سب رشتے نئے تعلقات بنائے ہیں ایک نسل کو پروان چڑھانا ہے۔“

”میں آگیا ہوں نا تو سب سنبھال لوں گا آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔“
شاہ زرنے کے لیے یہ کچھ ایسا اعتماد تھا کہ ان کو فکر پہنچتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرائیں۔

”رائیل تم نے بتایا نہیں تھا کہ وہ پھر کو آنے والے مہمان ہمارے کزن ہیں۔“ انہی کی آواز پر واٹس روڈ سے نکلتی وہ تنگ کر لوی۔
”ہمارے کزن تمہارے داغ کا کوئی کلیو ڈھیلا ہو گیا ہے ہم اپنے تمام کزنز سے ملی ہوئی

ہیں اور یہ انہیں تو دیکھا پہلی مرتبہ ہے۔“
”اسے نہیں تاؤ جان کا بڑا بیٹا یاد نہیں جس سے ہم کی نہیں ملے۔ تاؤ جان اپنی بیٹی کے ساتھ جس بھی انگلینڈ سے پاکستان کا چکر لگاتے تھے تو وہ ان کے ساتھ نہیں آتا تھا پوچھتے پر وہ یہی بتاتے تھے کہ شاہ زرفلاں ڈکری لے رہا ہے فلاں کورس کر رہا ہے۔“

رائیل کو یاد آگیا تھا گھر وہیں غائب کئے بغیر وہ ناول سے بال خشک کر گئی۔
”پتا ہے تمہیں مجھے اس چٹھیس سے کزن سے ملنے کا کتنا شوق تھا؟ شیراز کو میں نے فون کر کے بتایا تو وہ بھی خوشوار حیرت کا شکار ہوا اور اس نے شاہ زرنے سے بات بھی کی۔ رائیل تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔“

انہی کو اچانک احساس ہوا کہ وہ کسی بات کا جواب نہیں دے رہی ہے۔
”اس میں خوش ہونے والی کیا بات ہے؟ کزن ہے ہمارا تو؟ رہنے آ گیا ہے پھر؟ عامی بات ہے دانت ٹکانے کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ جھلا کر بولی۔
”ماما ٹھیک کہتی ہیں تم واقعی بڑی بچی ہو۔“ انہم نے گہری سانس باہر نکالی۔

حال احوال ہی دریافت کر لو۔ کیا سوچتے ہوں گے چچی کی بیٹی کیسی بد اخلاق ہے۔“ انہم کے کہنے پر وہ چڑ کر مڑی۔

”انگلینڈ سے آئے ہیں اور اتنی جلدی جائیں گے تین دو تین مہینے تو یقیناً سر پر سوار ہیں گے سلام و احوال بھی پوچھا جائے گا اور مجھے خوش اخلاقی کے علم پلندہ رکھنے کا کوئی شوق نہیں۔“

”رائیل خود کو بدلو اتنی تنگ مزاجی درست نہیں، ماما، پایا پہلے ہی تمہاری وجہ سے پریشان ہیں۔“ انہم نے سمجھانے کی کوشش کی۔
”انہیں مفت میں پریشانیاں بڑھانے کا

شوق ہے تو میں کیا کروں اور پھر جو چیز میری فطرت میں شامل ہو چکی ہے وہ نہیں بدل سکتی۔“
”وہ میری پریشانی نہیں ہے چچی آئی انہم سر پہلے دیکھتی رہی۔“

رائیل کا یہ رویہ نیا تو نہیں تھا وہ تو بچپن سے ایسی ہی تھی لیکن میں بات کرنے کی عادی تھی۔
”نئی تو وہ مشکلات تھیں جواب پیش آنے کی گئیں۔“
”انہم کی شادی ہو چکی تھی اس کا شوہر سعودی امیر لائن میں جاب کرتا تھا۔ انہم بہت جلد خود بھی سعودی جانے والی تھی۔“ شیراز بھی انگلیز تھا لیکن وہ اپنی شادی سے قبل رائیل کو اپنے گھر میں خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

رشتے تھے رائیل کو خوبصورت تھی ذہین اور اساتذہ کی اسے دیکھنے والی نظریں سرائے پر مجبور ہو جاتی تھیں لیکن رائیل کی عادات ایسی تھیں کہ بڑے شوق سے آنے والے پہلے پوزل خود بخود واپس ہو جاتے۔
”خاطر ہے کہ لڑکی کی شادی صرف ایک لڑکے سے نہیں ہوئی ہوئی پورا سال ہوتا ہے رشتوں کے گورکھ دھندے ہوتے ہیں اور لڑکی وہی باغشور و بھندرا ہے جس کی زبان میں ٹھہر اور اور وہی میں نرم مزاجی ہو جیسے خوش ہوں اور خوش کرنے کا فن آتا ہو جو خ مزا چھوٹے کے سرور کم بھی نہیں کر سہ لے

رائیل ان تمام صفات سے منکر خالی تھی۔ وہ پارہ صفت لڑکی تھی جس کا موڈ ہر وقت موزے پر رہتا تھا کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ کون سی بات اسے بری لگ جائے ملازمین تو اس کے زیرِ علم رہتے تھے اگر رئیس صاحب کے آس کا چکر لگا لیتی تو پورا علم غضب تلے آ جاتا جیسے پہلے پہل اس کی یہ عادات نہ فہم صاحب کو بری لگتی تھیں نہ شانہ بیگم کو بلکہ وہ ہنس کر اور بھی شہرہ دیتے تھے لیکن جون ہی رائیل بچپن کی حدود چھوڑتی تو بچپن چھوڑ کر جوانی میں آتی تو یہاں عادات پختہ ہو چکی تھیں وہیں اس کی بد اخلاقی کے قصے بھی زبان زد

عام ہو چکے تھے۔ تنگ آ کر شانہ بیگم اسے نوکے لکھیں تو دیرانی نے دیکھتے ہی تنجھایا۔

”بھائی آپ کا یہ رویہ بجائے معاملہ لگاؤنے کی کچھ نہیں کرے گا اس وقت تو رائیل کے روپ سے اتنا کہ آپ ہر آنے کے لیے گھر کے سامنے ڈانٹ دیتی ہیں اور یہی اس کی ناجی ہے۔“
”میں تو یہ سب اس کو براہ رست بر لانے کو کرتی ہوں بھلا ماں کا خلوص و محبت کچھ بنی کو پریشانی دے سکتا ہے؟“ وہ حقیقتاً مجھ نے پائیں بات کا مقہوم۔

”آپ ذہنی تو خلوص و محبت کے پردے میں اس سے دشمنی کر رہی ہیں جو برائیاں اس میں ذرہ بھر موجود ہیں انہیں بڑھا چڑھا کر کھس اس لئے لوگوں کے سامنے بیان کرنا رائیل سحر جانے تو معاف کیجئے گا تو رائیل سحر ہائے کی نہ آپ کا خلوص خالص کھلائے گا۔ کل کو لوگ اس کے پر پول لائیں گے تو کہیں سے اس کی بدنامی و بدعزت کے قصے بھی باغزت بن کر فروغ لگیں گے جس لڑکی کی ماں خود اس سے تنگ کر لوگوں کے آگے دکھڑے رویہ رہی ہو اس کی بیٹی کو کون جانتے ہو جیسے یاہے گا۔“

دیرانی بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں مگر وہ بتاتی نہ تھیں کہ ایسا تو شروع ہو چکا ہے ابھی چند دن پہلے کی ہی تو بات تھی جب ایک کیدرک کے دوران بیگم دیرانی نے ان سے رائیل کے رشتے کی بات کی تھی۔ وہ رائیل کو پہلی نظر میں ہی اپنے آئینہ بیٹے کے لئے پسند کر چکی تھیں اور کچھ دیر بعد جب وہ دوبارہ ادھر سے گزریں تو بیگم شاہنواز بیگم دیرانی سے کہہ رہی تھیں۔

”مجھے بے حد حیرت ہوئی کہ آپ قاسم جیسے کو الیغائیز بیٹے کا رشتہ رائیل سے کرنا چاہتی ہیں غالباً آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رائیل کے مزاج

تو خود اس کی ماں پناہ مانگی ہے بے حد خوسر اور بگڑی ہوئی لڑکی ہے نازک مزاج اتنی کتنی سانسے رکھا پانی کا گلاس تک اٹھا کر نہیں لی سکتی۔

”آپ کا خیال غلط ہے انجی میں گلاس سے پانی پی سکتی ہوں بڑی لڑکی نہیں ہے گلاس اٹھا کر میرے ہاتھ میں پکڑا دے۔“

ان کی طرف پشت پر کھڑی رائیل ہلٹی اور الفاظ چبا چکر بولی۔

”اپنے داوے میرے متعلق آپ کو پوری معلومات ہیں اپنی صاحبزادی کی بھی خیر خبر رکھا کریں جو رہتے ہوئے فریڈ ہڈی سے ایک بوئیر لڑکی سے تو پھر بھی کوئی نہ کوئی شادی کر ہی سکتا ہے مگر ایک بدکردار لڑکی سے کون شادی کرے گا۔“

”تینکے تینور سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور وہاں تینکے شاہزادہ تسلما رہی ہیں تینکے درانی کسی ختمے کا شکار نہیں اور شاہزادہ تینکے کی رائیل پر انتہائی غصہ آ رہا تھا۔

”بھلا کیا ضرورت تھی جو میری بھری محفل میں کلو اس کرنے کی اچھا بھلا ہاتھ آ کر شہنشاہ گیارا لڑکی نے تو ناگوں چنے چنوا دیئے ہیں۔“

”ہی بات جب کھر آ کر اپنے شوہر سے ملی تو وہ بولے۔

”وہ صاف گوار اور سیدھی بات کہنے کی عادی ہے اسے کوئی بد نظیری کہے یا خود میری تھمتے تو رائیل غلط نہیں لگتی۔“

”تینکے صاحب نے لاڈلی بیٹی کی سائیڈ لی۔

”کیا ضرورت ہے ہر جگہ ناموفق دیکھے چا بولنے کی یہ پانچواں پر پوزل واپس ہوا ہے صرف اور صرف اس کے رویے کی وجہ سے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ غلط نہیں ہے۔“

”غصے سے تھتی آواز میں وہ بولیں۔

”اما بلیز پچی ہی تو ہے وہ پر پوزل واپس جاتے ہیں تو ہماری بہن کو نہیں گھسی ہے رشتوں کی انجی اسے انجوائے کرنے دیں۔“

”شیراز نے

انہیں سنا۔

”بھائی اما ٹھیک کہہ رہے ہیں ہمیں آہستہ آہستہ رائیل کو ہر غلط اور ناگوار بات پر ٹوکنا چاہیے ورنہ آنے والے دن نہ صرف اسے بلکہ ہم سب کو مشکلات میں پھنسا دیں گے۔“

”اے ہم نے گفتگو میں حصہ لیا۔

”تم لوگوں نے مل کر کیا محاذ کھول رکھا ہے میری بیٹی کے خلاف خبردار جو کسی نے اسے ڈانٹا کچھ کہا وہی تو روق ہے اس گھر کی کس جانچ پڑھنی ہے۔“

”تانی تانی جو پاکستان آئی تھی اور پاس ہی بیٹھی تھیں نے کتنی سے انہیں گھر کا خوشامد ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

”بھابھی آپ کو نہیں پتا کتنے اچھے اچھے رشتے تھے جو رائیل کے۔۔۔۔۔

”اے ہو کیا رشتوں کی رٹ لگا رکھی ہے جیسے دنیا میں اچھے لوگوں کا کال پڑ گیا ہے اور تم خواجہ بلاؤ بیوی میری بیٹی کو نہ ڈانٹو میں اپنے شاہزادے کے لئے رائیل کو مانگتی ہوں وہ آج سے میری بہو ہے بس تم اسے نہ کیلئے دو۔“

”شاہزادہ تینکے تو خوشی سے لگ ہو گئیں پھر خود کو سنبھال کر جبردار پریشانی سے بولیں۔

”آپ کتنی گھبرائی ہیں تینکے بھابھی؟“

”یہ خوب لگی چھوٹی ڈانچ تم نے اب بڑھا ہے میں کیا میں جھوٹ بولوں گی۔“

”انہوں نے برا مانایا۔

”میں یہ کہہ کر رہی ہوں بلکہ میں تو۔۔۔۔۔“

”وہ گڑبڑا میں پھر بولیں۔

”شاہزادہ تو اتنا بچھا ہوا اور ذہین لڑکا ہے اس کے لئے تو کوئی بھی اچھی لڑکی مل سکتی ہے پھر رائیل کیوں جب کہ اس کے مزاج و عادات بھی آپ کے سامنے ہیں۔“

”انجی ماں ہو بیٹی کی برائیاں ساس کے سامنے کر رہی ہو میرے لئے رائیل سے بہتر

لڑکی کوئی نہیں ہے اور خدا لگتی کہوں تو میرا خیال مانی پہلے سے یہی تھا مگر میں اس کی تعلیم مکمل کرنے کے انتظار میں تھی مگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم نے رشتوں کی تلاش میں نکوس میں پاس ڈالے اورے ہیں تو میں پہلے رشتہ ڈال دیتی۔“

”وہ لگی پتی رہیے بغیر بولیں انہیں رائیل کے شروع سے محبت تھی اور اس کے لئے ان کا دل اور کچھ خود بخود چننا ہوا تھا۔

”مگر بھابھی شاہزادے سے تو مشورہ کر لیں آپ سنے دور کا لڑکا ہے اور پھر زندگی کے بہت سے سال انگلیڈ جیسے فارورڈ ملک میں گزارے ہیں اس کی کچھ پینڈا پینڈا ہو گی۔“

”تینکے صاحب نے بڑھائی کی۔

”شاہزادہ جیسا ہے کتنا ہی بھدا اور ذہین ہو لیکن میرے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔“

”وہ آؤں اور کچھ مخصوص تقاضے بولیں۔“

”تو شاہزادہ تینکے کو کچھ کرہ میں کتنی خوش قسمت تھیں بھابھی تینکے جو یہ فرما رہا ہے دار پنے کی ماں میں اور وہ لڑکی کی ماں کو گریہ بات نہیں کہہ سکتی تھیں کہ ان کی بیٹی اتنی فرما رہا دارو کو کر نہیں گی۔

”تینکے بھابھی جاتے ہوئے رائیل کی بہت سی خوبصورت تصویریں ہمراہ لے گئیں اور تینکے حسب توقع تینکے شاہزادہ نے دیکھتے ہی پینڈ پکی کی سند دے دی تھی۔ وہ ہی انکی پیاری کر دیکھنے والے کا فدا ہونا لازمی امر تھا۔

”بھینا بھابھی کی باتوں پر مت چانا وہ تو رائیل کے حسن کی عاشق ہیں اور میں خود کسوف رائیل کی نہیں تمہاری بھی ماں تھتی ہوں ان کے لئے سب صاف صاف بتانا چاہتی ہوں۔“

”کہل کھل کھل کر نہ جھجھو جھجھا، چچی نے دھوکا دیا ہے منہ پھٹا اور نازک مزاج بیٹی سر منڈھ کر۔“

”شاہزادہ تینکے نے شاہزادے سے فون پر بات کی۔

”چچی امی میں بہت اچھا گڑ سوار ہوں اقرے سے اقرے کو قابو کیا ہے اپنی

جانب میں بڑے سے بڑا کراس دیکھیں ہیں رائیل تو پھر ایک لڑکی ہے اور پھر میری اہلیت میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے مجھے ہر چیز کو اپنے طریقے کے مطابق ڈھالنا آتا ہے آپ خود کو ہر گھر سے آزاد کر لیں تینکے ٹری آپ کا بیٹا ہے نا۔“

”وہ مسکرا رہا تھا۔

”پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ تم پاکستان کا چکر لگ کر خود رائیل کو دیکھ لو۔“

”پھر کھوٹی فیصلہ پھر کرنا۔“

”شاہزادہ تینکے نے اصرار کیا۔

”اس ادا کے، میرا وہی بھی اگلے ماہ برس ٹورے دے دی اور پاکستان میں مجھے اپنے برنس کی براہر یہاں بڑھانی ہیں تو میں آپ کے پاس ٹھہروں گا لیکن ایک بات طے ہے کہ جتنی فیصلہ وہی ہے جو میری بیٹی میں اس لئے کہ رائیل پہلے صرف آپ کی پینڈ پکی اس میری خواہش اور محبت بھی ہے آپ بیٹے کے حق میں دعا بھیجے کہ اس کی محبت و خواہش کسی کی خود میری و خدا سے نکرائے بغیر جیت جائے۔“

”شاہزادے کے نرم لہجے پر وہ خلوص دل سے آمین کہہ لگیں۔

”شاہزادہ تینکے اور تینکے صاحب کی خواہش تھی کہ شاہزادے کے آنے سے پہلے رائیل کی عادات کو بدلنے کی کچھ نہ کچھ کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ تو انہوں نے اپنے لاڈلے چار میں ذرا کی کر دی اور غیر محسوس طریقے سے رائیل سے سختی رواری جانے لگی۔

”شیراز اپنے شوق کی بناء پر پاکستان بیوی سے وابستہ تھا ان دنوں کراچی میں ہی فراخ انجام دے رہا تھا۔

”جانے سے پہلے وہ سب کو خصوصی بات لیکر کہ گیا تھا کہ رائیل کو ٹھیک کرنے کی کوشش میں اسے نسبتاً نرم انداز سے ہی سمجھائی نہیں کہ زیادہ روک ٹوک خلاف معمول سختی سے کھر والوں سے ہی برگشتہ کر دیا جائے۔

”ابھی وہ لوگ رائیل کے مزاج نہ مسموم کر سٹ کرنے میں اپنے پلان کے مطابق کام کر رہا

شروع ہوئے تھے کہ شاہ زبیر اطلاع دے پاکستان پہنچا گیا اور راتیل نے پہلی ملاقات میں ہی اپنے سیکھے طور دکھا دیئے کچھ دیر تو واقعی شاہ زر حسب کا دماغ مارے پیش کے صدمہ گرہ گیا وہ ایسی بدینہ زوری اور ایسے سلوک کی توقع یقیناً نہیں کر رہا تھا جو راتیل فیہم نے گیت پر ہی دکھانا شروع کر دیا تھا۔

”آفت لڑی ہے اور زبان کی کروا ہٹ تو جانے کہاں سے لے آئی ہے اسی لئے تم سے کہا تھا پہلے خود کچھ کر فیصلہ کرو مجھے بھیہم پر نہ جاؤ، شاہ زبیر مسوڑی سے بولیں۔

”نول ڈاؤن چیج ایسی حد سے بڑھا ہوا لاڈ پیار کی نہ کسی سچے کو اور کافر فیڈ کر دیتا ہے اور میں نے ساری کاٹ لونی میں مازنہ کی اضافی ڈکری دے رکھی ہے اس کی انصاف کو کچھ کر پیشکش کرنا مشکل نہیں ہے۔“ شاہ زبیر خلاف توقع پر امید تھا۔

”اس کی آگ اپنی زبان سے آخر کو تم بھی گھبرا جاؤ گے۔“ وہ یائیں نہیں۔

”نور راتیل اچھے آک کو کھڑا کرنا آتا ہے۔ آگ بظاہر کوئی بھڑتی ہوئی ہے مجھے کو تو پانی ماتی ہے اور راتیل کے مزاج و موڈ میں بھری کہ شاہ زر کی جیتی سے لڑ کر پانی سرد کرے گا۔“ وہ بولتے ہوئے جانے دل میں کیا طے کر رہا تھا کہ چہرے پر بڑی شوخی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

یوگن وہیلیا کی ڈپ ریدر لکٹر تیل لان سے گیت کی طرف پیرونی دیوار پر خوبصورت انداز سے چلی ہوئی کسی دیوار سے دھڑکنے کے فاصلے پر گرے سین کی چیئر پر وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ چلیں موندے فضا میں رچی پھولوں کی خوشگوار مہک کو اپنے اندر اتارتے ہوئے چہرے پر بڑا نرم سا سکون عجیب ملاحظہ بھیہر رہا تھا۔

چانگک سے واپس آ کر کالہ بدور کی جانب بڑھتے ہوئے شاہ زر سبب نے رک کر اپنے

دووں بازو سینے پر لپیٹے اور اسے بے حد دلچسپی سے دیکھا تھا۔ پتھر خساروں پر اتنی صبح کی تازگی رہی کیلیوں کی ہنسی پر چھٹا جس جو خوابوں کو راستہ دکھا رہی کی اور کلائی ہونٹ قاتلانہ دہل رہی تھی اوپر ہی ہونٹ کا خم شاہ زر کی نگاہیں وہیں اکٹا گئیں اور یہی اس کی خوش نما آنکھوں کی توجہ کا محرک تھا کہ وہ چونک کر اٹھی اور نگاہ چاروں طرف دوڑائی جو شاہ زر کے مضبوط سراپے سے ہوئی وجہ یہ چہرے پر کبھی۔

”السلام علیکم“ صاف ستر اگلش لہجہ ہوا میں سے نکھیر گیا۔

”ولکم“ وہ مختصر جواب دے کر کئی کترا کے گزرنے لگی۔

”پلیسڈی زی۔“ آپ کے ہاں مہمانوں کو رستہ کرنے کا رواج نہیں یا کسی کو پوچھ دینا آپ کے اصولوں کی نفی کرتا ہے۔“ اس نے بڑے سجاوے طنز کیا تھا۔

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“ راتیل نے پلکیں اٹھا کر پوچھا۔

”میں کہہ چکا ہوں جو ہو گیا حالانکہ غلطی آپ کی تھی تیر چھوڑیں مجھے یہاں کچھ عرصہ رہنا ہے اور ظاہر ہے آپ سے واسطہ ہے گا تو کیا یہ بہتر نہیں ہم دونوں کی طرف قدم بڑھادیں۔“ وہ شائستہ لب و لہجے میں بولا تھا۔

”پاکستان ہے انگلینڈ نہیں یہاں کسی سے فریڈ شپ کی آفر آپ کو جو تے لکوا سکتی ہے۔“ راتیل نے در پردہ کچھ جھٹایا تھا جسے محسوس کر کے دھمکسکا۔

”آئی جیک ہم میں کوئی بھی ”کسی“ نہیں ہے ہمارے درمیان تو کزن شپ کا بہت خوبصورت سارشتہ ہے۔“

”میں بلاوجہ لوگوں سے رشتہ نہیں جوڑا کرتی۔“

شاہ زر ایک چل کو ساکت ہوا تھا دوسرے

لحے میں اپنے ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ کر تختی سے بولا۔

”چیج ای یو پی پریشان نہیں ہوتیں تم ہوسہی بگڑی ہوئی اور دکھنا شاہ زر کو کھڑے دماغ کے لوگوں کو درست کرنا خوب آتا ہے کل آج تو میں نے برداشت کر لیا کہ تیر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنے سچے اور الفاظ پر غور کر کے بولنا۔ روڈ ہو کر مہتا تیار انداز ہو سکتا ہے مگر تیار غور کوئی نہ لے گا تیر تیار ہی خوش تھی ہے۔“

کہہ کر وہ رکائیں لے ڈک تیرا اندرونی جیسے کیل جانب بڑھ گیا۔ راتیل فیہم ششدر سی کھڑی تھی اس کی نگاہیں پوری وادھیں۔

”ایک ایسی شخص کی اتنی جرأت کہ وہ میرے گھر میں کھڑا ہو کر کچھ پر عجب بھائے۔“

”شاہ زر تم راتیل کو نہیں جانتے I will kill you۔“ انتہائی ٹیش سے مٹھیاں جیتی وہ اسی کے کہنے کی جانب بڑھ گئی۔

”میں نے اپنے انداز میں پوچھیں کے دازے میں رہنا چاہے پھر وہ صرف ایک مہمان ہی نہیں ہے بلکہ تیرا ہے سکے تیا کا مٹا ہے کیا تاثر لے کر جانے گیا ہیں سے خوش اخلاقی نہیں برت سکتی ہو تو کم از کم بد اخلاقی سے پرہیز کر لو۔“ لما بے حد خشک انداز میں بولیں۔

”میں نے بد اخلاقی نہیں برتی وہ جان بوجھ کر مجھے تنگ کر رہے تھے۔“ وہ مصرعہ بولی۔

”یہاں تم غلط ہووہ لوکا جو تم سے پہلی بار ملا ہے وہ جان کر نہیں تنگ کرے گا کیوں میں یہ تو جیتے تم سے تو کر سکتی ہوں شاہ زر جیسے تیس مزاج اس کے نہیں۔“

”آپ ایک غیر بندے کے لئے اپنی بیٹی کو انٹ رہی ہیں۔“ وہ روئے والی ہوئی۔

”شاہ زر فیہم نہیں ہے اس کی ہر اور اس گھر کے افراد کی جھٹوں پر وہ اتنا تانی حق رکھتا ہے جتنا تم گھر اس کا بھی ہے۔“ شاہ زبیر کا لہجہ ذرا سخت

ہوا۔

”ماما آپ مجھے گھر سے بھی بے دخل کر رہی ہیں صرف اس کی خاطر۔“

رہی ہیں صرف اس کی خاطر۔“

”راستل کی فضول بحث شروع کر رہی ہے۔ جا کر تیار ہو جاؤ کا کچھ نہ لے۔“

ماما نے بات ختم کر کے اپنی توجہ دوبارہ ”شہاب نانہ“ کی طرف مرکوز کر لی جس کا مطلب تھا دُعا ہو جاؤ راتیل مل جھن کران کے روم سے اپنی سہ عشتائی نے ان کا ٹیٹ لینا تھا وہی نہ ماما سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر وہ پھنسی پر کھینچی۔ کس روہینہ عشتائی کسی صورت اسٹوڈنٹس کی غیر حاضری معاف نہیں کرنی تھیں اور منٹ میں کلاس سے باہر جانے کا حکم دے دیتی تھیں۔

”پاپا کونج سے واپسی پر میں بیچا کی طرف جاؤں گی آپ آئیں سے واپسی پر مجھے وہیں سے کب کر لےجئے گا۔“ این سی۔ اے (کلیکل آف آئیں) کے گیت پر اترتے ہوئے اس نے مطلع کیا۔

”گھر سے نکلنے سے پہلے تو تمہارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔“ پاپا کا انداز نارٹل تھا۔

”نو بابا میں نے یہ سوں جانا تھا اور ماما کو بتا بھی دیا تھا لیکن میرے آف ہونے کی وجہ سے نہیں جا سکی۔ اس لئے آج مجھے ضرور جانا ہے۔“ راتیل نے بتایا۔

فیہم صاحب کا ڈی موڈ نے لگے اور راتیل کا کچھ داخل ہوئی۔

”میرا تو خیال تھا آج تم نہیں آؤ گی۔“ نتاشہ نے اسے دیکھتے ہی حیرت سے کہا۔

”کیوں آج کیا خاص بات ہے؟“ راتیل کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

”تمہارے گھر میں چاند طلوع ہوا ہے اور تم مجھے سے خاص بات پوچھ رہی ہو واللہ رہے یہ شان بے نیازی۔“ نتاشہ نے مزاحیہ انداز اپنایا۔

رائیل نے ایک طویل سی آہ خارج کر کے اسے دیکھا وہ سمجھ چکی تھی کہ شاہ زہری بات کر رہی ہے۔

”رات آئے تھے شاہ زہر بھائی ہم سے ملنے، بہت ڈینٹھ اور سارٹ ہیں ویسے تاؤ جان کی ساری اولاد کتنے اچھے اور سچے مزاج کی ہے شاہ زہر بھائی کتنے بھرے اور موٹا وزن لگے ہیں گفتگو کرتے ہیں اور کتنی معلومات ہیں پر موضوع کچی رائیل میں تو انہیں رشک سے دھنکی اور فخر کرتی رہ گئی۔“ متاثر کا انداز شدید متاثر نہ تھا۔

”وہا جات و ذہانت شاہ زہر کے پاس ہے مفروضہ ہو رہی ہوا میگزین۔“ رائیل ہی۔

”اچھے بیٹیس بندے کی کڑن ہو نا باعث فخر تو نہیں ہے اور پھر میں تو اس بات پر بھی Proud feel کرتی ہوں کہ N.C.A کی سب سے خوبصورت لڑکی میری تایا زہر ہے پھر شاہ زہر بھائی تو ہیں ایسے کہ ان سے تعلق ہے بندہ خود کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔“

”متاثر ہوئے کہ گراف ذرا کم رکھو شیراز بھائی نے تمہارے منہس سن لے لے تو غلط فہمی اور جلیسی کا شکار ہو جائیں گے۔“ رائیل نے ڈرانے کی کوشش کی۔

”شیراز بہت براؤڈ سنڈ ڈبندے ہیں اور یہ بات خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان سے جو محبت و انسیت مجھے ہے اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا محبت تو مجھے اپنے سے شلک پر تعلق ہر شے سے ہے باباں ہے مگر شیراز صرف محبت نہیں دل کی طلب ہے ہیں اور طلب تو ایک ہی شہید اور بھی ہوئی ہے۔“ متاثر نہ ہوتے ہوئے درخت سے ٹیک لگا کر انھیں موندلیں۔ رائیل اس کے چہرے پر اترتے گا ہی موسوں کی دھک کو کوجب حیرت سے دیکھنے لگی۔

”ایا محبت انسان کو امتحان اور کھار بنش دیتی ہے۔“

”متاثر کچھ اور کھونا شیراز بھائی کے متعلق۔“ رائیل نے بیک سے موبائل نکالتے ہوئے اسے دیکھا جو خوش کنی سے احساس کے زہرا بند پکڑے ہوئے کھڑی تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے رات نے نکلیں بھکاری ہیں میری کچی میں اب تک رات کو پکڑوں سے کوئے کچھ ستارے ہیں دکھوں کے استعارے ہیں میں اس کو دیکھتا ہوں تو.....! تو میری آنکھوں میں ڈیڑھروں خواب تعبیروں کے دکھ میں کوئی چہرہ موچتے ہیں اور وہ چہرہ

شہساز، شناساے کچی چروں میں تبدیل ہو جاتا ہے سفر مکمل ہوتا ہے

پھر ان چروں سے یادوں کے کئی منظر ابھرتے ہیں نظر میں قس کرتے ہیں وہ چہرے

جو میری تہائیوں کے اشک پارے ہیں مجھے ہر حال میں خود سے بھی پیارے ہیں سب ہی چہرے تمہارے ہیں

بند بلیوں سے سرکوشاں کرتا ہے خوبصورت چہرہ رائیل اس کی آواز کے ساتھ تصویریں اپنے موبائل میں محفوظ کر رہی کہ متاثر سے ایک دم پکپک اٹھیں اور فوراً اس شرارت تاؤ کی اس کا چہرہ ناراضگی و سخت سرخ پڑا۔

”ڈیڈ میمیز کیا کر رہی ہو۔“ اس نے موبائل چھینا چنا۔ بھائی کو یہ دل چھو لینے والا اظہار کروں گی پر دیس میں خوش ہو جائیں گے جسے سمندر کی لہروں کے ساتھ ساتھ جیسے جہاز بھی ان کے پاس سے پھیل چماتے گزرے

”گے۔“ رائیل موبائل بیک میں رکھ کر بھر پور شفٹی و شرارت سے کہی۔ ”کم آن گرلز پریل راؤڈ پر ہیں۔“ ان کے کلاس فیلو عبداللہ نے دور سے ہی پکارا کہ وہ بڑا کر اسے آرٹ دوم کی جانب بڑھیں۔ وہ فائن آرٹس کے فائل ایئر کی سنوڈنس ہیں اور آج ان سب کو اپنے اپنے تیار کردہ آنکڑوں بطور ٹیٹ پیچ کے ڈالے تھے۔

”ہائے عمر میرے بھد مت کے گرد تو ناکی ہی میسر ہے۔“ متاثر کو عین وقت پر نقص دکھائی دیا۔

”نوجوانی ناک کا مسئلہ نہیں ہے تو سرجری سے ٹھیک ہو سکتی ہے میں نے اتنی محنت سے جو شیراز سلیم کا بٹ بنایا تھا وہ لنگڑا ہو گیا ہے۔“ رائیل رو رہی تھی۔

”اوپر ہوتی دم دیکھتا ہوں۔“ عبداللہ گلی مٹی لئے آگے بڑھا اور ذرا سی دیر میں نہ صرف شیراز سلیم صاحب دونوں ٹانگوں پر کھڑے تھے بلکہ بھد مت کے گرد بھی سیدی ٹوئار ناک دکھا رہے تھے۔

”عبداللہ تم واقعی بہت جینئیں ہو ایویں سب تمہاری تعریف نہیں کرتے۔“ متاثر نے سر اباؤ و زرب سرگردا۔

”ایسا نہ ہو میڈم مٹھانی اسے ہاتھ لگائیں اور پو دوبارہ شہید ہو جائے۔“ رائیل ابھی ٹکر کا شکار تھی۔

”میڈم مٹھانی سے پہلے تو تم خود چھیڑ چھیڑ کر اس کا تپا یا پھر کر دو کی اسے سو کھٹے دو۔“ عمر آواز شہب آگے بڑھے اور لبور ان کا ماڈل ملا ڈھک لایا۔

”تم دونوں نے تو جانے کیا بنا دیا تھا لیکن عبداللہ کے ہاتھ نے واقعی جان ڈال دی ہے نیل ہونے سے بچ گئی ہو دونوں۔“ یہ عمر کا تیرہ تھا۔ ”ایک ٹانگ ہی تو جوڑی ہے پورا پیدا تو

اس میں نے کیا ہے۔“ رائیل کے تلملار کے گئے تھڑے نے ان سب کو قہقہے لگاتے پر چھوڑ کر دیاسب سے اونچا قہقہہ خود عبداللہ کا تھا جو مسکراتا بھی بہت کم تھا وہاں موجود لڑکیاں کھپائی سی ہو گئیں۔

”بابی کوڑا رائیل تم بولنے سے پہلے سوچ تو لیا کرو۔“ متاثر نے گھر کا۔

ابھی وہ سب اس بات کو لے کر جا رہے تھے دیر اس کا ریکارڈ لگاتے کہ میڈم مٹھانی اور پریل کی آمد ایک ساتھ ہوئی سب اپنے اپنے آگے کے ساتھ کھڑے ہو کر بھید کی تصویر بننے لگے۔ میڈم مٹھانی سب کے پاس کچھ دیر ٹھہر کر سوالات کر گئیں آگے بڑھیں تو رائیل کے پاس رک گئیں۔

”یہ بائیں ٹانگ کا نصف حصہ بھتا بہتر بنا ہے اور پھر اداہرہ سلیم اس طرح کیوں نہیں بنا۔“ وہ بہت گور سے دیکھ رہی تھیں۔

”فلوریڈ میں چھپ چھپ کی ہو گئی تھی۔“ چھپ سے عمر کا مسکرا تا قہرہ مدھم آواز میں لڑکھائی سے سن کر اس کی سنوڈنس بل کر ابھی اس کے چہرہ چھانے گھر کے گھبراہٹ کرنے کے لیے اور رائیل کے کانوں کی لوہیں غصے و شرم سے جلنے لگیں۔ اس نے پلٹ کر عمر کو خود اور نظروں سے گھورا جو غضب کی تھیدی چہرے پر چھائے ہوئے تھا۔

”تم نے عبداللہ سے صرف ایک ٹانگ ہوانے کا وقت کیوں ادھار مانگا پورا جسم ہوا نہیں کم از کم ایک جیسی لک تو آئی۔“ میڈم مٹھانی کا عام سے لہجہ میں کہا ایک قہرہ اسے اندر تک سلگا گیا۔

”میڈم یہ ساری محنت میری ہے صرف آدمی ٹانگ جانے کیسے ٹوٹ گیا جی جیو بی نام پر دیکھی تو عبداللہ نے مدد کر دی۔“ قصہ بند کر کے اس نے صفائی دی۔

”تو میں نے تمہاری محنت سے کب انکار کیا

کو بدلنے کی کوشش کرے اور ناممکن کہہ کر چھوڑ دے۔

”تم اپنا ذہن تو بدل نہیں سکتی ہو دنیا کو کیسے بدلو گی پورا کھربوں کہ نہیں سمجھتا ہے اور تم نہیں سمجھ رہی ہو تو پوری دنیا کے لوگ تمہارے ذہن کی لالچی پکڑ کر کیسے چل سکتے ہیں یقیناً کوئی ایک شخصیت ایسی ہوئی ہے جو دنیا کو بدلنا ذاتی ہے مگر تم اپنی جینیں ہرگز نہیں ہو۔“

پرسکون کیسے کہیں کہے گئے الفاظ نے اسے تپا دیا۔

”آپ مجھ پر پریل ایک کرنے کا حق نہیں رکھتے، وہ دانت پیٹتے ہوئے بولی۔

”پریل ایک اس کا مطلب جانتی ہو۔“

شاہ زرنے پستی آنکھوں سے دیکھا۔

”آپ بے حد..... مارے غصے کے اس سے بولا تھا گیا۔

”میں غم میں کینے کی ضرورت نہیں، میں خود اپنی اس بات پر غصے سے اچھی طرح واقف ہوں خدا نے رعب حسن بن ایسا دیا ہے کہ سامنے والے کو بولتی بند ہو جاتی ہے۔“ شاہ زرنے کا ایک اسے چھینٹنے میں لطف آنے لگا۔ راتیل کے ضبط کا پارہ خری حدوں کو چھوئے لگا۔

”آپ شدید ناقابل برداشت شخص ہیں مجھے تو گلبرگ کے N.C.A تک کاراست آپ ہی ہر اسی میں کھنک لگا۔ جانے پوری زندگی آپ کے ساتھ گزارنے والی لڑکی کیسے جینے کی گاڑی رکھتی ہی خوف تو ڈھول کر باہر نکلتے ہوئے وہ تپ کر بولی اور شاہ زرنے ہنسنے ہوئے گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

راتیل کا جن داخل ہوئی تو سامنے سے عبداللہ چلا آ رہا تھا وہ آتے آتے کچھ کہہ رہی تھی طرح رک کر کئی اور وہ اپنے اڑی لام والے اندر میں جا دیکھ کر زرتا چلا گیا اور ایک ہی اس کا دل ہلا گیا کہ آگے بڑھ کر اس میں سے ہو گئے۔

چل پڑی۔

سلاخ گرے کر دلا کی طرف بڑھتا شاہ زرنے

بلک ٹو نہیں سوٹ میں بہت زبردست لگ رہا تھا۔ راتیل نے اس کے دراز قد اور چوڑے سینے کو کچھ پریشانی سے دیکھا۔

”یہ پایا کو آج کیا سوچی جو مجھے اس کے ساتھ بھیج دیا گنتا عجیب سا لگ رہا ہے۔“

آج کل تو آئی لی اور ایم لی اے کا جنون ایک جزییشن کو بلکہ زیادہ تر لوگ خصوصاً لڑکیاں ہی ایسی ایس کے گریز میں بھی مبتلا ہیں تو

تم نے آرٹ کا کورس کیوں جو اتار لیا۔

شاہ زرنے گفتگو کا آغاز کیا تو راتیل بولی۔

”میرا رجحان شروع سے آرٹس کی طرف ہے رنگوں سے کھیلنا میں پتھر سے جسم اور دیگر اشیاء بنانا مجھے اچھا لگتا ہے اور میں وہی کرتی ہوں جو

مجھے اچھا لگے۔“ لہجہ خود پسندی کا مظہر تھا۔

”فنون لطیفہ سے لگاؤ رکھنے والے لوگ تو بہت نرم اور معتدل مزاج ہوتے ہیں۔ تمہارے اندر غصہ و خود سری کیسے سرایت کر گئی۔“ شاہ زرنے ایک دم بات چینی۔

”جو بات غلط ہوتی ہے مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ کوئی میرے سامنے جھوٹ بولے، دھوکا دے یا خواہ مخواہ اڑائے تو میں ضبط میں کیسے رہوں۔ آپ ہی بتائیں کیا میرا ایسا کرنا غلط ہے؟“

اس وقت وہ شاہ زرنے چڑ کو بھلا کر بہت اپنا پتہ سے شکوہاں تھی۔

”ہو سکتا ہے تم اپنی جگہ درست ہو پھر بھی تمہیں خود پر کنٹرول رکھنا چاہیے ساری دنیا ویسی تو نہیں ہو سکتی جیسی ہم نے اپنے دل میں بنا رکھی ہے۔“

”کیوں نہیں ہو سکتی ہر شخص یہی کہہ کر خود کو بری الذمہ قرار دے لے تو تیرے یہی کہاں سے اور کیسے آئے گی کوئی ایک شخص تو ہو جو کچھ کر دہوں

اسے برے ملے گی یا داتو ہو ان جھیل سی گہری آنکھوں میں اک شام نہیں آتا داتو ہو پھر چاہے عمر سمندری ہر مون پریشان ہو جائے پھر چاہے آنکھ نہ سچے سے ہر خواب گریزاں ہو جائے پھر چاہے پھول کے چہرے کا ہر درخشاں ہو جائے اس جھیل کنارے بل دہل وہ روپ غمراہا داتو ہو دن رات کے اس آئینے سے وہ عکس بھی آتا داتو ہو ان جھیل سی گہری آنکھوں میں اک شام نہیں آتا داتو ہو

سلاخ آدھا کھا کر اس نے رکھ دیا اور گرم

جائے کے ٹھونڈ تھری سے حلق میں اتارنے لگی۔ شانہ تہنہ نے ناگواری سے اس جلد بازی پر ٹوٹا تھا۔

”راتیل آرام سے ناشتہ تو کر لیا کرو اپنی گاڑی پر جانا ہے تم نے کوئی فلاح تو نہیں چھوٹ رہی۔“

”سوری ماما میں آریڈری بہت ہو چکی ہیں پتلا پیر پیرس ہونے کا ڈر ہے۔“ وہ آنکھ کر بیک لینے لگی۔

”جھیل پایا۔“ بیک کا دم سے پڑا لے منتظر

لگا ہوں سے دیکھنے لگی۔

”بیٹا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہیں شاہ زرنے اس جاتے ہوئے کاغذ ڈراپ کر دے گا بلکہ اس کو اپنے کام کے سلسلے میں اکثر اس طرف جانا ہو گا تو تم اس کے ساتھ چلی جایا کرنا۔“ فہیم صاحب نے کہا تو وہ جھلکی۔

”Lets go“ شاہ زرنے چپین انگشت

شہادت پہ جھٹا اٹھا تو نہ جانتے ہوئے بھی وہ

ہے کسی کی منت کر کے کام کروانا بھی مجت طلب ہے۔“ بڑی سہولت سے طنز کر کے وہ آگے بڑھ گیا راتیل کھولنے لگی۔

کلاس آف ہوتے ہی وہ عمر کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی جب کہ عمر غائب تھا۔

”چھوڑو عمر کو صبح دیکھ لینا گھر میں ای

اظہار کر رہی ہوں گی۔“ مناشہ نے اسے پکڑ کر کھینچ کر شام کھانہ وہ چچکے ہاں رہی رات کے پایا کے کتراہ گھر کوئی تو اس کا موزے حد خوشگوار تھا۔

انعم کے ساتھ بیٹھ کر کچھ دیر بائیں میں پھر ماما کے ہاتھ سے بنی مزیدار چائیکٹ چائے کے ساتھ

شیراز سے چنگک کی۔

”شاہ زرنے فہیم چچا کے ساتھ بات کرتے ہوئے ترچھی لگا ہوں سے بولا پھر اسے دیکھا۔

سکون سے بولتی رہی سے ہنسی سمرانی، روشن

چہرے سے ستارا آنکھوں والی لڑکی گرا سی روپ میں نظر آئے تو زندگی لپٹی خوبصورت ہو جائے۔“

راتیل نے ہنسنے ہنسنے نظر اس اٹھا میں شاہ زرنے سے لگا ہوئی کے حصار میں لے پونے تھا۔ آنکھوں

میں رخ کرنے والی کیفیت بھی اور وہ یقیناً پسپا ہونے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی اس لیے جھٹکے سے

لگاؤ لاؤج سے اٹھ کر بیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگی شاہ زرنے اس کے جھٹکا کرٹھے کو بغور

دیکھا اور دلکشی سے زرب لب مسکرا دیئے۔

ان جھیل سی گہری آنکھوں میں

اک شام نہیں آتا داتو ہو

اس جھیل کنارے بل دہل

اک خواب کا یلٹا پھول کھلے

وہ پھول بہا دیں لہروں میں

اک روز کسی ہم شام ڈھلے

اس پھول کے پتے رنگوں میں

جس وقت لڑنا نہ چاہیے

اس وقت کہیں ان آنکھوں میں

”کیا تم واقعی اپنے اوپر اٹھنے والی گناہوں کی تپش سے ناواقف ہو۔ کیا تمہارے خیال درمیان سوچ کے کسی روزن میں کچھ میرا عکس چمکا تمہاری آنکھوں میں ہلے بھر کو میرا خواب چمکایا۔ ایک حرف محبت کا ایک احساس قرب کا ایک دایہ طلب کا تمہاری زبیت میں کسی حوالے سے راتیل نہیں کا گزرا ہے یا نہیں؟“ انسان کو وہاں محبت کی امیدوں ہوئی ہے جہاں اس کا لٹنے کا ایک فیصلہ بھی امکان نہیں ہوتا۔“ اس نے جھٹکے جھٹکے انداز سے سوچا تھا۔

”بے منزل راستوں پر سفر کرنا چھوڑ دو بغیر سمت کا تعین کے شروع کرنا اذیت دہنی ہے۔“ مناشہ جانے کے آکر پچھتے گھڑی ہوئی تھی۔

”مناشہ اسے پتا کیوں نہیں چلتا میں اس سے محبت کرتی ہوں وہ اتنا پیچیدہ ہے ہر ہر اہم منوں میں سولو کر لیتا ہے چکی بجائے کام بناتا دیتا ہے صرف میرے معاملے میں وہ ایسا انجان کیوں ہے؟“

”راتیل تمہیں معلوم ہے نا کہ وہ اپنے خاندان کی ہی ایک لڑکی سے منسوب ہے اور بہت محبت بھی کرتا ہے اس سے تو تم نے جاننے بو جھتے اس کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے حالانکہ تم بخوبی علم رکھتی ہو کہ کیلٹر فگن بھی کامیاب نہیں ہوئی۔“

”میرے جیسی خود لڑکی کے لئے دل کے منہ زور جذبوں پر بند باندھا بہت مشکل امر ہے۔ وہ چاہے زندگی کسی کے ساتھ گزارے نہیں رہے جس ان کے دل میں صرف راتیل فہم کو ہونا چاہیے۔“

مناشہ نے قدرے چوہک کر متعجب نظروں سے دیکھا تھا۔

”راتیل انسان چیزیں نہیں ہوتے کہ ہم لئے کے لئے خود کو دوسروں کو تکلیف دینے پر قائل جائیں دوسروں کے دل پر اجارہ داری قائم

کرنا آسان نہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کے لئے لڑکی کی تو خواہوں، خیالوں سے لگا ہوں چڑا کر سیٹ زندگی گزارنی چاہیے خوابوں کے ہمراہ مذاہب بھی ہوتے ہیں پریچ اور ٹھیک راستوں میں وہ گھڑی ٹھٹھا ماتحت کیلٹر فگن کی کام کا نہیں ایک پل کے بجائے اندیرے اندیرے نہیں دور ہوتے تو خود کو جھکا کر مت دو۔“

مناشہ نے وہ ساری باتیں کہہ دیں جو وہ پچھلے کتنے دنوں سے راتیل کو سمجھانے کے لئے سوچ رہی تھی راتیل گھاس کا ٹھکا ٹوڑتے ہوئے چپ بیٹھی تھی۔

”محبت کرنے کا ہنر وہاں آزمانا چاہیے یہاں بھی پرانی کی توقع ہو۔ بعض اوقات ہم دل سے کی پوچھا رہے ہوتے ہیں اور جس سے ہم محبت ہوئی ہے وہ بھی کسی کے لئے ریاضت کر رہا ہوتا ہے لیکن وہ کسی ہم نہیں ہوتے تو کیا ایسے میں بے خبر نہیں کہ ہم ان کے لئے نہ جھینیں جن کو ہم چاہتے ہیں بلکہ ان کے لئے جھینیں جو ہمیں چاہتے ہیں۔“ مناشہ نے لوہا گرم دیکھ کر ایک اور چوٹ لگائی۔

”بھین چلوگی۔“ راتیل نے اس کی بات کا جواب دینے بغیر پوچھا تو مناشہ نے سر ہلا دیا۔ لیکن بھینیں کی طرف جاتے ہوئے عبداللہ کو ادھر ہی جاتے دیکھ کر اس نے راتیل کو تانسف سے دیکھا تو اس نے غیب ہارے ہوئے انداز میں نظریں چرائی تھیں۔

”میری دلی دعا ہے راتیل کہ تم بغیر کوئی صدمہ بردھری اس راہ سے پلٹ آؤ جس پر منزل کا نشان تک نہیں ہے۔“ مناشہ نے بہت چپکے سے دعا کی۔

عبداللہ N. C. A. کا بے حد پریلیٹ اسٹوڈنٹ تھا اس کا تعلق ٹل کلاس یعنی سے تھا وہ ذاتی محنت و کوشش اور اپنی ذہانت کی بناء پر

کستان کے اس جنگ اور معتبر ادارے میں زیر تعلیم تھا۔ اپنے متعلق اس نے ایک بار بہت فخر سے بتایا تھا۔

”میری زندگی میں ایک وقت اتنا مشکل آیا تھا کہ میرے فادر پر اچانک فاج کا ایک ہو گیا اور بھائی اسیکڈنٹ میں محذور ہو گئے میرے گھر میں بقیہ سات افراد تھے اور سب کی امیدوں کا مرکز میں تھا۔ میرے سامنے ایک ہی راستہ تھا میں نے اسی عمل کرنے کا سوچ لیا اور تعلیم چھوڑ کر ملازمت ڈھونڈنے لگا میرا خواب کسی کی زندگی کا سب سے روشن درجہ تھا یہ مجھے اسی وقت پتا چلا جب میں نے مجھ سے پوچھے مجھے بتائے بغیر میرے گھر کا خرچ اٹھا لیا اس کی طلب صرف میرا دیکھ کر تیر تھا میں سوچتا تھا میں کسی میں بارگاہی لیکن کن کی محبتوں نے مجھے ہر ادبا اور میں انہی اسے میں آگیا مجھے تا عمر اس محبت کو لے کر جینا ہے جو اس وقت آئی جب میرے پاس گریہ ادا کرنے کے سہ سہک نہ تھے۔“

”میں کا ذکر کرتے وقت اس کے لہجے میں احترام محبت خلوص کے جذبات خود بخود کھل جاتے۔ اس کا سنجیدہ چہرہ اونکھے احساس اپنائیت سے جھکا جاتا تھا۔“

اور کسی کو اپنے آگے کچھ نہ سمجھنے والی راتیل فہم اس شخص کی محبتوں کی طلب گرنی جو خود کسی سے شدید ترین محبت وصول نہ اور دینی کے عمل سے گزر رہا تھا۔ وہ اس کے قرب کو ترسے گی گھی جو اپنی ہر چاہ کا مرکز محن کو بنائے ہوئے تھا۔ حالانکہ اپنی طلب کی لا حاصل ہے وہ خود بھی واقف بھی پدل نہ مانتا اور جب دل زیادہ ستانے پر آتا تو اپنے سے مشک ہر رشتے پر تپتی ہے اس کا رو بہ پہلے سے بڑھ کر جارحانہ اور ہوجاتا وہ ہر ایک کو گھٹ کھانے کو ڈورنی بیسوچے بغیر گھر والوں کے لئے اس کا چڑچڑا پن اور بد مزاجی کس قدر پریشانی کا باعث بن رہا ہے۔

”آج آج دو آخری پیریدہ فری ہیں مناشہ جانی گئی ہے“ پاپا کی بھوادیں میں بھی کھڑ جانا چاہتی ہوں۔“ راتیل نے فہم صاحب کو بتا کر موبائل آف کیا۔ اس کی نظریں کارڈ پر جم گئیں جہاں سے عمر نے ہاتھ ہٹا کر اسے متوجہ کیا تھا۔

”خیریت تو ہے آج تم اپنے سامنے کے بغیر نظر آ رہی ہو۔“

عمر بتنا ہے متعلق ریاضت کر رہا تھا۔ ”اس کی طبیعت خراب ہی وہ پہلے پیریدہ کے نور ابدہ جانی کی تھی۔“

راتیل نے بتا کر ایک گہری نگاہ عبداللہ پہ ڈالی جو پینٹ کی بیسیوں میں ہاتھ ڈالے بڑا ریلیس سا کھڑا تھا۔

”راتیل تم کالج کی سالانہ تقریب ادب و ثقافت میں حصہ لے لو اور کچھ نہیں تو ماؤ ٹنگ تو کر سکتی ہو عطا علی ملو سات کی۔“ عمر نے مشورہ دیا۔ ”میرے موڈ اور مطلب کی چیز نہیں ہے ویسے بھی کالج کیوں پر تپتی ہو مجھے ماؤ ٹنگ ایکٹ میں بھی دوپٹی نہیں رہی۔“ راتیل نے انکار کیا۔

”As you wish۔“ عمر نے کندھے اچکا۔

”ویسے عبداللہ بہت آگے آگے ہے اس تقریب کے ہر کام میں۔“ عمر نے پھر کہا۔ ”عبداللہ کالج کی ڈرائیگ سوسائٹی کے صدر اپنے ڈیپارٹمنٹ کے سی آؤر کا کالج پریزن کے ایڈیٹر ہیں ان کا تو ویسے بھی بہت کٹری بیون بنتا ہے۔“

راتیل نے اس بار براہ راست اسے دیکھا تھا جو دلالتی سے سرکا کر بولا۔

”میری ہر کامیابی کسی کے آنسوؤں میں لپٹی دعا کی دین سے کہتے ہیں جتنی خوشی وہ ہے جسے آپ دوسروں کے ساتھ شئیر کر سکیں اور اصل

سکھو وہ ہے جو دکھ چھیلنے کے بعد حاصل ہو میں نے کسی کو اعتراف کا ایک پل دیا تھا کسی پل کی خوشی میں لینے والے ہاتھوں نے میری راہ کے سارے کانٹے چن لئے۔“

اپنے ہاتھوں کو آپس میں جکڑتے ہوئے رائیل نے دل میں یوں بے بسی محسوس کی تھی کہ لاجارنگ لگتی اپنی تنہا اس وقت جب کہ وہ سامنے کھڑے خوبصورت بندے کو سوچ رہی تھی خیالوں کی زہر گرہ پر اس کا ہاتھ تھامے چل رہی تھی اور وہ کسی اور سے بے نیازی کی کہانی سنارہا تھا۔

”اوکے، ہم چلتے ہیں۔“ عبداللہ نے کہہ کر قدم بڑھانے کو عمر بھٹی چل پڑا۔

رائیل نے گہری سانس بھرے ہوئے ارد گرد دیکھا گردن کے ساتھ سر ہزار میں بے فکرے تو جوان لڑکے لڑکیوں کے گروپ خوش باش چہروں کے ساتھ ہاتھیں کرتے نظر آ رہے تھے۔ چوکیدار سے بالائے آٹھا تھا۔

”اوپہ پانے گاڑی بچوا دی۔“ وہ جلدی سے اٹھ کر قدم اٹھانے لگی۔

فرخند زور خوں کر پیسے ہی اندر بیٹھ کر وہ سیدی ہوئی تو شاہ زور کو دیکھتے ہی اسے جھکا سا لگا تھا۔

”پاپائیں آئے؟“ اس نے سوال کیا۔

”وہ ٹینک میں مصروف تھے، میرا آٹا اچھا نہیں لگا۔“ شاہ زور نے جواب میں سوال کر دیا۔

رائیل نے کچھ کچھ بغیر نظریں پھیر کر تھیں۔ ”اسی ذاتی پورچر پھرتی۔“

”جھٹا میں اس سے بھاگتی ہوں یہ اتنا ہی مجھ سے گھرا ہے اور جتنا عبداللہ کے قریب جانے کی کوشش کرتی ہوں وہ اتنا ہی مجھ سے بھاگتا ہے۔“

اک شخص کو کھو دینے کا ڈر کیوں نہیں جاتا یہ بوجھ میرے دل سے اتر کیوں نہیں جاتا منزل پہ پہنچ کے بھی اسے کھونا پڑے گا!

یہ طے ہے تو پھر شوق سفر کریں نہیں جانا شاہ زور نے چہرے کا رخ ترچھا کر کے اس پر گہری سی نگاہیں ڈالیں کچھ کہنے کی کوشش میں لب کھولے پھر جانے کیا سوچ کر دوبارہ بند کر لئے۔

”بیو ٹراؤڈر شرٹ پہنے پاؤ ایک ڈوپٹہ کندھے پر لٹکانے وہ سوچوں میں کبھی چہرے پر سائیت بھرے سائے لڑاں تھے۔“

”اگر تم سوچ و ذہن کو مثبت رکھو تو اپنے ساتھ بہت سے لوگوں کا بھلا کر سکتی ہو وقت تمہارے ہاتھ میں ہے پھول چنویا خار تمہاری مرضی لیکن یہ طے ہے کہ خوش نصیبی ایسا پرندہ ہے جو کسی تلکری منڈ پر نہیں بیٹھتا۔“

”مستر شاہ زور آپ کو اگر میں پروا داشت کر رہی ہوں تو زیادہ پھیلنے مت میں زندگی سے خار چنوں یا پھول میں میرا معاملہ ہے۔ آپ مجھ پر حاکمیت مت جتا میں And minde your own business۔ اس کا لہجہ نفرت سے بھر پور تھا۔

”اور لوگوں کی طرح تم مجھے اپنے تنکے مزاج سے زہنیں کر سکتیں یہ مت چھٹنا کہ تمہارے بدلچاٹے سے گھبرا کر میں پیچھے ہٹ جاؤں گا مجھے نہیں بدلتا ہے۔“ شاہ زور نے گاڑی گھر کے پورچ میں کھڑی کرتے ہوئے پار کر دیا۔

”آپ مجھے بدلے والے ہوتے کون ہیں اور میں اتنی باطل نہیں کہ آپ کے فرمان شامی کی تعمیل میں خود کو تہلیل کرنے لگوں۔“ وہ کھٹ کھٹ کرٹی آگے بڑھی۔

شاہ زور نے بازو آگے کر کے اس کا راستہ روکا اور سرد آواز میں کہا۔

”میں خود کو میری خاطر بدلنا ہوگا کیونکہ مجھے تمہاری بڑی خادش پسند نہیں ہیں۔“

”بانی فٹ۔“ رائیل نے چڑ کر اس کا پھیلا بازو پرے کرنا چاہا۔

”تم بات کس لیے کر رہی ہو؟ میں نے پہلے ہی تمہارا کچھ سے مخاطب ہوتے وقت اپنے کچھ پر کنٹرول رکھا کرو۔“ شاہ زور نے حتیٰ سے اس کے بازو کو پکڑ کر بھٹکا دیا تھا۔

”آپ یہ سب کہنے اور کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ زہر لگتے ہیں یوں زبردستی کرتے ہوئے کیا لگا رہا ہے میں نے آپ کا جو

آپ میری زندگی ابھرنے کرنے چلے آئے۔“ وہ چلا گئی۔

”میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں۔ تم باقاعدہ منسوب کی جا چکی ہو مجھ سے اور میں بھی یہ نہیں چاہوں گا کہ میری ہونے والی بیوی دو

تھوڑی سیل میں ہونی ہو تو اس کا وہ بیوی میرے پاس ہو کر دل نہیں ہوتی تو اسے اجوری بیوی پوری رائیل چاہئے اس لئے کہ میرے سینے میں سوچو دل کا

ذرہ ذرہ تمہارے لئے دھڑکتا ہے تو کیا میری محبت کا اتنا حق بھی نہیں مٹا کہ میرے لئے ہنسنا اور خوش رہنا سکھ جاؤ۔“

شاہ زور نے ٹھیک کر پوچھا رائیل سادگی سی کھڑی کسی کی آنکھوں میں اترنے والی دھند

میں وہ چہرے ابھر رہے تھے وہ دل سلگ رہے تھے۔ وہ چہرے دکھ رہے تھے۔ رائیل فہم اور

شاہ زور حسیب دونوں کے چہرے اس کے کانپتے لب بولنے کی کوشش میں پھر پھر ارہرہ گئے۔

”تم میری محبت کا خوبصورت چہرہ ہو اور اسے چہرے پر کھنڈی اداسی کو کون پسند کرتا ہے۔

اب مجھے بتایا گیا کہ تم میرے نہیں سمجھتی تو میں نے سوچا تم کو بھی وہ سمجھو گی۔“

روشن اور خوش رنگ چہرہ دکھا دوں گا۔ مگر تم اول روز سے پر گشتے ہو مجھ سے کیوں یہ جاننا میرا حق

بننا ہے۔ اگر کوئی اور تمہاری زندگی میں ہے جو کہ میرا خیال ہے کہ وہ واقعی ہے۔“ شاہ زور کے کہنے پر

وہ بے اختیار چہرہ چمکا کر اور وہ بولا۔

”اور یقین کرو کہ میں تمہاری زندگی سے

نکل جاؤں گا تم مجھ پر اعتماد کر کے شیر کر سکتی ہو۔“ وہ ان کی سر ہلاتی اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔

”رائیل فہم تم اس شخص سے کبیدہ خاطر تھیں جو تمہاری خواہش کا سفر طے کر رہا تھا۔ میں تمہیں

اپنا آپ کہنے دوں شاہ زور میرے تو قیوم راہنما آپ تھائی تھیں۔ تم نے مجھ سے کچھ کوا مانگا۔

تبدیل کرنا جا کر میں کہے بتاؤں کہ ناراضی کی ٹپنی ملنے سے گلہ بنی وجود کی پور پور میرا سہرا کر چکی ہے میں نے خود کو سنبھالنے کی بجائے

جذبے چھپانے کی سعی میں اپنا مزاج، لہجہ، عادات سب بگاڑیں سب کو خفا کر شروع کر دیا

میرے اس دکھ کو بھٹنے کی سعی نے کوشش نہیں کی تھی اپنی ایک سے دیکھتے تو غلامی رویہ ہے

برا بھلا کر ناراض ہو جاتے کسی نے بھی تو حوصلہ دیا نہ میرے اندر جھانک کر مجھے بدلنے کی سعی کی

ایسے میں تم آگے تو تم نے بھی بنانا یا ذہن کے لئے مجھے دیکھا میں ایک اور تاج کو یا کر مزید چڑی

اس سب سے بجاؤ کا راستہ وہی تھا جو عبداللہ تک گیا میں اسی راستے پر پہلے سے تیز قدم چلتے

لگی۔ یہ راستہ کیا بھی ہو بے سمت، یہ منزل اب بغیر ہمسر کے مجھے اپنا ضبط نہیں آ رہا ہے۔ وہ

دیکھ نہ دیکھ جاے نہ چاہے بقول فرزا۔“ اس کی وہ جانے اسے پاس وفا تھا کہ نہ تھا

تم فرزا اپنی طرف سے تو نباہتے جاتے

شاہ زور درجے میں کھڑا اموری کے بھولوں کو ٹوٹ۔“ گھر تے دیکھ رہا تھا۔ اس نے

اندھیرے میں تیر چلایا تھا اور رائیل کی خاموشی بتا رہی تھی کہ تیر نہایت پر ہنسا ہے۔ اس سے تو کہنے کو کہہ دیا تھا مگر خود سے بہت خوفزدہ تھا۔

”اگر حقیقت میں رائیل کی زندگی میں کوئی موجود ہے تو اس دل کا کیا ہوگا۔“ یہ دل اسے آرام سے اسے کی اور کسو پٹ سکتا ہے وہ کی اور

کو چاہ رہی ہے تو میری چاہت کا کیا ہوگا؟ اسے خود پر غصہ کرنے لگا تھا۔

رائیل کے تمام تر چڑچڑے پن، اجنبیت اور بے رحمی حد درجہ بدامنی کے باوجود وہ اس کے عشق میں بالکل بورا تھا یہ سب عجیب بھی لگ رہا تھا کہ عمر کے بہت اچھوتے جذبات والے سال لندن میں گزارنے کے باوجود وہ ایک ایسی لڑکی سے شدید محبت کرنے لگا تھا جو اسے بالکل لغت نہیں کروائی تھی۔

شاہ زور کے ساتھ اپنی نسبت کا علم ہوتے ہی اسے لگ رہا تھا وہ گہری دلدل میں اترتی جا رہی ہے پاپا کے ہاتھ دھند سے وہ خود فہم نہ ہوتی تو ایک نیک زمین آسمان ایک کر دیتی پنکڑ چاکر ماما، اتم سے وہ کھسکتی بھی لیکن اب یہ مشکل تھا کیونکہ شاہ زور سے تو وہ سخت متاثر تھیں۔ خود رائیل شاہ زور کی شخص رائی خوبیں، ذہانت اور وہ چاہت کی دل میں قابل بھی اپنی تمام تر بدتمیزی و کوفت کے باوجود وہ دل کو لٹھلا لگتی تو شاہ زور کے لئے ہوا خاشا کی سی نہ کسی صورت نقل آتی لیکن وہ اپنے دل کا کھل کر بتاتی جس کی راہ میں عبداللہ جہاں رائی سارہ شخصیت سمیت آن کرنا تھا اور دل کو مٹانے کی کوئی کوشش نہ کرنا اور ثابت نہیں ہوتی تھی۔ وہ ایک ایسے شخص کی محبت میں گرفتار تھی جو سبھی لا حاصل تھا۔ رائیل فہیم تھی کہ دوسرے مزاج اور تناؤ زدہ بچے والی لڑکی محبت جیسے نرم و نازک جذبے کو کھینچ بیٹھی تھی۔ کئی حیرت کی بات تھی اور اس حیرت پر رونے کا موقع بھی نہیں مل رہا تھا۔ خود کو کھینچنا وہ یاد بھی نہ کر رہا تھا۔

اس کی بے اختیار سی کیفیت، انفرہ آکھوں اور بے میل چہرے نے احم کو چمکنے پر مجبور کر دیا۔ انعم جان کی تھی کہ رائیل کا غصہ بلاوجہ جھگڑا، ناراضگی دکھانا اس کے پس پردہ محرک کچھ اور ہے محبت کو کھنچنا یا کھونٹنے سے ڈرنا محبت نہ پا سکتا تھی تو کیفیات تھیں جو اسے عیاں کر رہی

تھیں۔ وہ خود کو ساکت پر دوسں میں چھپا کر رکھنے کی قابل بھی محبت تھی اسے اٹھا کر رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ پاپا نے بھی چونک کر پوچھا۔

”رائیل تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے بیٹا تو مجھے بتاؤ کچھ چاہے نہیں جانا ہے یا کسی نے نہیں بہت کیا ہے۔“ رائیل کا چہرہ ان کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ وہ اپنے بچے باپ کو بھتیجی رہ گئی کیا بتانی کہ مجھے عبداللہ جہاں چاہیے، شاہ زور نہیں، میں عبداللہ سے محبت کرتی ہوں۔ اس کے بغیر جیسے کا تصویر بھی میری سانس روک دیتا ہے۔

”بولو میں نہیں تمہاری ماما نے تو نہیں ڈانٹ دیا۔“ ان کا بھجبت کا غماز تھا۔

”بھئی۔“ اس نے انتہائی مختصر جواب دے کر سر جھکا دیا۔

”تو پھر یہ اداسی اور خاموشی کیوں؟ اس سے اچھا تو تمہارا پہلے والا رویہ تھا کم از کم تمہارے لئے جھگڑنے اور شیونیوں و شرارتوں سے ہمارے گھر میں زندگی تو ڈور ہی تھی گھر میں وقت گزارنا اچھا تو لگتا تھا۔“ پاپا نے محبت سے اس کا سر تپکا کر وہ ان کے کھنچے پر سر رکھ کر کھلے میں چھتے آگے اندر دھکیلتے ہوئے بولی۔

”پاپا میرے اندر بہت بے سکونی ہے بہت ڈسٹر بس ہے مجھ سے آپ کے فیصلے کا بوجھ نہیں اٹھایا جا رہا میں شاہ زور کو تو نہیں کر رہی۔ آپ سے اس گھر سے دور نہیں ہوا جاتا مجھے شادی سے ڈر لگتا ہے۔“

”فہیم صاحبہ جو اس پہلے فقرے پر شاہ زور ہوئے تھے آخری فقرے پر پرسکون ہو گئے اور اس کا خوف و جھجک دور کرنے کی غرض سے بولے۔

”تمنا اس کا شمار آپ کے برنس اور زور میں ہوتا ہے دوسری بات ڈر لگنے کی تو شاہ زور جیسے شخص سے جو اپنی نفس عاقلوں کی بناء پر سب کو اپنا گردیدہ کر لیتا ہے ڈر کیا؟ تو شاہ زور مجیدہ مزاج ہے مگر ہمیں خوش رکھے گا اس کا یقین مجھے ہے اور یہ یقین ہی بڑے کام کی چیز ہے ہاتھ میں رکھو تو ہر مشکل دور ہو جاتی ہے۔ رہی بے سکونی تو اس کی وجہ ترک نماز ہے تم نماز پڑھا کر باقاعدگی سے ساری ڈسٹر بس دور ہو جائے گی یا درگو کہ تم نے کتنا عرصہ ہر نماز نہیں پڑھی۔ خدا سے دوری کا ذہب سے لائق بھی انسان پڑھنا پیش کا شکار کر دیتی ہے اپنے رب سے قریب ہو جاؤ وہ تم سے قریب ہوتا جائے گا اس کی چاہت کی قدر کرو وہ تمہاری چاہت تمہیں لوٹا دے گا خدا تمہیں بھی نہیں بھولتا ہم ہی اسے بھول جاتے ہیں اپنی بج تہی میں اگر ہم اسے یاد رکھیں تو کوئی بے اطمینانی نہ رہے اور نہ انسان اپنی لالچاں تمناؤں پر رہتا پھر ہے۔“

پاپا اس کے لرزے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولتے رہے اور وہ کئی کئی گھنٹے عرصے بعد یوں اس کے ساتھ بیٹھے تھے اور لگتے متر متر فکر مند تھے اپنی اولاد اس کی خوشیوں کے متعلق رائیل کو شرمندہ کی ہوئی وہ خواہ مخواہ شاکی تھی کہ پاپا اس سے غافل ہیں۔

”تمہارے لئے جو فیصلے میں نے کیا وہ مجھے بہتر ہیں لگتا اور مجھے مل بھرا ہوا تھا کہ تم اس فیصلے سے انحراف نہ کرو کی مگر تمہاری پریشانی کی وجہ اگر صرف شاہ زور سے شادی ہوتا ہے اور تمہاری نظر میں کوئی اور شخص ہے تو یا بھجک کہہ دو میری کوشش ہوگی سب تمہاری مرضی کے مطابق ہو جائے۔“

وہ یقیناً پاپا سے ان الفاظ کی توقع نہیں کر رہی تھی اسی لئے کچھ دیر بھی کی کیفیت میں خالی خالی آکھوں سے دیکھتی رہی بھجک آئی تو بھیکے لہجے

میں بولی۔

”مجھ آپ کے فیصلے سے انکار نہیں نہ میں شاہ زور کو برا سمجھتی ہوں میں سمجھ ہی نہیں پا رہی میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں بہت زیادہ روؤں بیویوں سے نہیں جانتی اور شاید یہ اللہ سے دوری ہے واقعی کتنا عرصہ ہو گیا میں نے نماز کو بھلا ہی دیا ہے مجھے یہ بھول ہی گیا تھا کہ میرے وجود کو زندگی، دل اور سانسیں جیسے والی بزرگ و برتر سستی کا بھی کوئی حق ہے جو فرض سمجھ کر ادا کرنا ہے فرض سے کوتاہی ہی بے چینی عطا کر رہی ہے۔“

”تو پھر اٹھو اور نماز پڑھو خدا سے معافی مانگو بہتر ہی کی دعا کرو میں بھی مسجد سے نماز عصر ادا کر کے آتا ہوں پھر اپنی بیٹی کے ہاتھ کی بنی مزیداری چاہئے پانی کر تمہارے بچا کی جانب چلیں گے۔“

انہوں نے پروگرام طے کیا رائیل بھیکے چہرے سے مسکراتے ہوئے اٹھ گئی۔ شاہ زور اور احم میس سے دیکھ رہی تھیں رائیل کو مسکراتے دیکھا تو ان کے چہرے پر بھی اطمینان ساہرا لگیا ورنہ جب سے متاثر ہوئے ان کے حد درجہ اصرار و پریشانی سے مجبور ہو کر اس کے عبداللہ میں انٹرسٹ کا بتایا تھا وہ دونوں دکھ کا شکار تھیں اور ذہن رائیل کے تند خو رویے کو دیکھتے ہوئے ”اب کیا ہوگا؟“ کا راک الپ رہا تھا کہ فہیم صاحب نے خود ہی رائیل کے روئے و معمولات سے چونک کر بات کر لی ان کے خدشوں کے برعکس رائیل نے اپنی ذات پر ایسا کوئی الزام لینے سے احتراز ہی کیا تھا۔

شاہ زور زیادہ تر اپنے کام کے سلسلے میں مصروف تھا سو گھر کی نظر آتا اور جو ہوتا تو بچا کی طرف جانے کا پروگرام بناتا نہیں یا کوئی کٹک رائیل سب کے خدشات کو مٹانے کی کوشش میں ان کے درمیان رقی اور خود کو خوش ظاہر کرنے

کے لئے اندر ہی اندر شدید بلکان ہوئی۔ اسے زندگی کی پل صراط کے مانند نظر آنے لگی تھی یہاں قدم قدم پر گھڑا ہوا تھا سائیں بھری جارہی تھیں۔

انہم کا وہ شہر آصف سعودیہ سے پاکستان آچکا تھا اس کا وزٹ صرف پندرہ دن کا تھا۔ اسی لئے انہم اور آصف دعوتیں لینے دینے کر رہے تھے انہم ویسے بھی خوش طبیعت لڑکی تھی مگر ان دنوں تو مسکراہٹ مسلسل اس کے ہونٹوں پر موجود رہتی تھی۔ چچا کے ہاں دعوت میں راتیل کی بھی پوری تیاری اٹوانڈیڈی۔ شیراز بھی پھنسی پر آ رہا ہوا تھا۔ جب سب مل کر گچھ کے کمرے کو خوشیوں اور تہنوں کے ماحول کو گچھ اٹھا تھا۔ تماشہ شیراز سے چھپ کر چکن میں بنانہ لے ہوئے تھے۔ انہم اور راتیل اسے کھیت کر لاؤنج میں لے آئیں یہاں شیراز اور شاہ زر بیٹھے ہوئے تھے۔ آصف چئی کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔

شاہ زر نے شیراز کی نگاہوں کے ارتکاز پر تماشہ کا گلابی پڑتا چہرہ بہت دلچسپی سے دیکھا تھا انہم کے گفتے میں پھنسی وہ خاصی بھاری لگ رہی تھی۔

”انہم کیا ہو رہا ہے؟“ ”مامانے اچانک مڑ کر دیکھا تو تماشہ کسمسا رہی تھی اور انہم اسے جانے نہ کیا سمجھانے میں مصروف کی۔“ ”آپ سب لان میں آجائیں جائے وہیں رکھوائی ہے میں نے۔“

راتیل نے آکر بوقت مدخلت کی تو شیراز نے سکون کا سانس لیا ورنہ ماما سے کچھ بعید نہ تھا یہیں کلاس لے لیتیں۔

جائے کے ساتھ دو تین قسم کے کسٹ، ہموک، کباب اور کچھ اور مزید اراشہ تھیں۔ راتیل اور چچی چن میں تھیں کھانا سب کا شہر کر کھانے کا پرورام تھا۔ اس لئے کچھ پر بعد وہ بھی آکر ان کی گفتگو میں شامل ہو گئیں۔ تماشہ اور شاہ زر

کرسٹ انہم پر بات کر رہے تھے ان کی ہلکی پھلکی گفتگو جھجکی کے مرحلے طے کرنے لگی تو چچا، پاپا اور شیراز، آصف بھی رائے دینے لگے امریکہ، اسرائیل اور ہندوستان کی اسلام دشمنی، مسلمانوں کے خلاف کھلی جارحیت اور فلسطین، صومالیہ، ایران کو درپیش خطرات پر سب جوش سے بول رہے تھے جب کہ شاہ زر حیرت سے تماشہ کے مضبوط دلائل پر کھڑا تھا۔

”جیسے حیرت ہو رہی ہے ایک لڑکی ہو کر تم حالات حاضرہ پر اتنی گہری نظر رکھتی ہو اور اتنا بہترین انداز گفتگو بھی تمہیں تو آرٹ کی بجائے سیاست میں انڈیشن لینا چاہیے تھا۔“

”خواتین کو تو ہر پہلو سیاست تک ہی رہنے دو۔“ شیراز نے فوراً کہا جوڑے۔

”ویسے بھی جو توڑ، چالبازی کے جتنے ماہر آپ مرد حضرات ہیں ہم خواتین کیسے ہو سکتی ہیں۔“ انہم نے لہجہ دیا۔

”اس معاملے میں بھی آپ لوگ ہی حصف اول پر ہیں۔“ شیراز پھر بولا۔

”اگر ایسا ہوتا تو یہ ملک اب تک سدھر چکا ہوتا بلکہ تمام مرد سدھے ہو چکے ہوتے۔“ چچی کے کہنے پر مامانے بھی تائید کی۔

”جتنی یہاں چار خواتین جمع ہو جائیں وہاں ہم بچارے کیا کر سکتے ہیں۔“ پاپانے مسکرا کر کہا۔

کلینکس موجود تھی۔ وہاں راتیل موجود تھی اور تماشہ سے جانے کیا بات کر رہی تھی کہ انہیں بھرائی ہوئی تھیں۔

”اوہ سوری میرا خیال ہے مجھے آپ کی تنہائی میں غصہ ہونا نہیں چاہیے۔ وہ بیٹھے لگے تو تماشہ نے گچھ کو خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

”نہیں بھائی آپ آئے ہیں ہم اتنی پرسن باتیں بھی نہیں کر رہے تھے۔“ انہم آئی کے جانے میں چند دن رہ گئے ہیں راتیل بہت اداس ہو رہی ہے۔ دراصل یہ آپنی سے کچھ بھی بہت ہے۔“

شاہ زر نے راتیل کو جس طرح دیکھا تھا صاف لگ رہا تھا وہ مطمئن نہیں ہوئے۔ راتیل کے لئے ان کے سامنے تک کر بیٹھنا مشکل تھا تاہم خود کو ریل کر رہے ہوئے وہ کبھی ریلی اور ان کے درمیان چین آئسن اور ناؤ قد میں ان کے ہر لگتکو ہونے لگی۔ باتوں کے دوران شاہ زر کا بے لگہ گہری کچھ کھو جی کچھ بولتی لگا ہیں اس پر ڈالتے رہے۔

انہم کی آج روانگی تھی سب اسے سی آف کرنے کے ارادہ پورٹ جا رہے تھے۔

”راتیل شاہ زر بہت اچھا لڑکا ہے محبت بار بار دل کے دروازے پر دستک نہیں دیا کرتی نہ کوئی عمر بھر شوق مند میں لکڑی ڈالے بیٹھا رہتا ہے عبداللہ تنہا ہر خواب سہی خوابوں اور تعبیروں میں بڑا فرق ہوتا ہے آرزو اور تمنا میں بڑے فاصلے ہوتے ہیں اور شاہ زر ایک حقیقت ہے ایسا شخص جو تنہا رہا ہوا کرتا ہے ہمیں بھی اس کی پرواہ کرنی چاہیے۔“ اس کو آگے بڑھتے دیکھ کر پیچھے بیٹھی بدودعا نہ دے بلکہ اپنے دروا کر دو پچھ لوگ دیکھوں کے عادی نہیں ہوتے در بندگی تو صد ادائے بغیر لوٹ جاتے ہیں۔

ہم سفر ہو تو کوئی اپنا سا! چاند کے ساتھ چلو گے کب تک؟

”میں انشا اللہ عید الفطر پر پاکستان ضرور آؤں گی اور تب مجھے تمہاری آنکھوں میں دکھی کسک اور غصہ کی کی نہیں خوشی کا عکس ہنسی کی ہر انظر آئی چاہیے اور اس عکس کا ہر سلسلہ شاہ زر سے ملتا ہو۔“

انہم نے اسے گلے لگا کر بہت رمان اور خلوص سے سمجھایا تو راتیل کی خشف آنکھوں کے آئینے دکھ اور مسافت کی ٹھکن سے دھندلا سے گئے۔

”میری پیاری بہنا وہ کسی اور کی قسمت ہے اور دوسرے کی قسمت میں اپنے نصیب کو تلاشنا اپنی زندگی کا عکس کھوجنا دشمنی نہیں تم تو اتنی بھجھار تھیں پھر یہ کیسا دکھ پال لیا جو تول نہ سکے اس کی خواہش جو تان نہ کہلائے اس کے خواب جتنے چھوٹے ہیں اس کا قرب سب پاگل ہیں یہ خلوص و محبت بھی نہیں ہارتے ہیں دن و رات روڈ چلنے والی گاڑی کو راستہ نہ ملے تو رک جاتی ہے مگر یوں کہ نہ آگے کی رہے نہ پیچھے کی۔ خود کو ٹٹول، پر کھو سوچو اور ایسا فیصلہ کرو جس سے کوئی دل خراب نہ ہو مگر سمجھ رہی ہو ناں۔“ انہم نے پیار سے اس کو دیکھا۔

راتیل اس کے شانے پر سر رکھ کر بری طرح رو رہی تھی۔

”راتیل بس کرو چندا بہن کا دل اداس رہے گا تنہا روتا چہرہ جب بھی یاد آیا۔“ چچی آگے بڑھ کر اسے چپ کرانے لگیں۔

”یہ اس لئے دوری ہے کہ اس کی رخصتی جانے تک ہوگی۔“ تماشہ نے لہجہ اڑا۔

”نشت اپ۔“ وہ بے اختیار ہنسنے لگی ہوئی۔

”دراصل تمہارے ذریعے وہ اپنے دل کی بات بتا رہا ہے تم رخصت ہو گئی تو اس کی دہن آئے گی جلدی اسے اپنی شادی کی ہے تمہاری نہیں۔“

آصف بھائی نے شیراز کو بھرپور شرارت سے دیکھا وہ دھٹائی سے ہنس دیا بانی سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
”بھائی آئی کا خیال رکھیے گا۔“ رائتل نے ان کو الوداعی سلام کرتے ہوئے کہا وہ خود غصہ سے اٹھ کر دیکھ کر ان بات میں سر ہلانے لگے۔ لاڈلے ہٹیکر رابرٹ ہوسٹ کی آواز بار بار گونج رہی تھی کہ تمام مسافر اپنی اپنی سیٹوں پر آ جائیں۔ انگلش اور اردو میں یہی اعلان دہرایا جا رہا تھا ارم اور آصف سب کو ہاتھ ملاتے جہاز کی سبز صیلاں چڑھنے لگے اور وہ سب وہیں کھڑے رہے پوکی فضا میں بلند ہو گئے جہاز لنگھوں سے اوجھل ہوئی تو سب انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے ڈیپارچر لاؤنڈ سے باہر نکلنے لگے۔

عبداللہ جمال اپنے بیڈروم کے بیچوں بیچ ساکت سا کھڑا تھا اس کے ہاتھوں میں ”I miss you“ کی پیٹنگ کی جینے والے نہ اپنا نام لکھا تھا نہ انڈر لائن مگر ہر رنگ پر نقش کیا کرکٹر بتا رہا تھا کہ جس کے جوتوں کو تھماری کا سامان ہے بعض جذبہ الفاظ و لہجہ کے محتاج نہیں ہوتے صرف احساسات کا رشتہ ہوتا ہے جو احساس کی آنکھ ہی محسوس کر سکتی ہے وہ تو خوجیت کی پور پور میں ڈوب چکا تھا پھر محبت سے انجان کیسے رہتا۔ اس نے کرب سے آنکھیں پوری کھول کر ایک بار پھر پیٹنگ کو دیکھا تو احساس کے پردے پر دو بے تماشیا خوبصورت آنکھوں والی لڑکیوں پر بے غم سانس مے لہرائے تھی۔
اس ستارا آنکھوں میں ہنسنے والیوں کی تیش ا رہا اس کے دل تک چھٹی تھی۔ ان خاموشیوں

کی پکار نے کئی بار احساسات کو جھجھوڑا تھا۔ دل کے بند دروازے کا باہر اکثر آہیں گونج تھیں مگر وہ مجبور تھا کہ ان آہوں، صدائوں اور خواہوں کی پیروی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجتبیٰ کو قدردان تھا غلامی پر جان چھڑکتا تھا مگر بندگی میں کھڑی لڑکی کو کبھی اتنا محبت ہیصل کے پھول سے نہیں سمجھتا جیڑا کو کوش برس جانے کی بے انت مسافت کے بعد بھی اس کے نقیب میں صرف کھٹائیوں اور جدائیوں کا لیل لگا رہتا ہے اور اس لیل کو اتارنے میں انگلیاں لوبہاں ہو جاتی ہیں اور حال وہی ہوتا ہے کہ انسان آنکھوں میں آنسوؤں کے سمندر لے لہتا ہے۔
برابر بڑھ رہا ہے غم کسی کو دوش کیا دیں ہم ہیں اپنے آپ پر ہم غم کسی کو دوش کیا دیں ہم جسے کوئی تو ہنسنے دو، میرا حال رہنے دو! تنے اپنی آنکھ ہے پر غم کسی کو دوش کیا دیں ہم عجب ہے در محبت کا، جو مرضی پر نہیں کھلتا نہیں چلتا یہاں سمس، کسی کو دوش کیا دیں ہم ”مجھے خوشی ہے کہ تمہاری آنکھوں کی چمک میری محبت کا اعجاز ہے اور مجھے دکھ بھی ہے کہ اس اداس اور کراہتی محبت کو پوئی دیکھتا ہے کہ کچھ سفر ایسے ہوتے ہیں جس کے شروع میں ہی آہلہ یاں ہوتے ہیں۔ میں دعا کرتی ہوں کہ تم کو مسافر ہوں کہ خدا تمہیں سدا سدا شاد رکھے مگر اپنی محبت جو بہت پہلے کسی کی ودیعت ہو چکا ہے اٹھا کر تمہاری جھولی میں نہیں ڈال سکتا کچھ کا سے خالی رہنے کے لئے ہوتے ہیں مگر میں دعا کروں گا کہ تمہارے کا دل میں میری دس تہی کسی اور کی محبت بھر جائے اتنی کہ تم نسیال سکون اٹھا سکو تمہارے سب راستے اس محبت کے دیئے سے روشن رہیں۔“

طرف روانہ نہ تھی۔ اس کا دل بے حد پوچھتا پن

کا شکار تھا وہ بہت بار سے ہوئے انداز میں ایک دفعہ پھر رائتل کی گفٹ کردہ پیٹنگ کو دیکھتے ہوئے عجیب سے احساسات کی زندگیں کھرنے لگا تھا۔

بلیک چارجٹ کے جدید لباس میں لمبوس رائتل اپنے ڈیپارٹمنٹ کے پیچروم میں سر جھکا کر بریدی آرٹ کے آغاز وار تقاریر پر ویسٹر زیر احمد صدیقی کا مغل پیکرن رہی تھی۔ خود کو اسٹیج غلام کرنے کی کوشش میں بار بار اترتی نظریں اور زبردستی چہرے پر لاتی جانے والی مسکراہٹ بھی اس پر چھائی ہے طرح اداسی کو دور کرنے میں ناکام رہی۔ نتاشہ نے کبری سانس لے کر اسے بے غمی سے دیکھا تھا جو کوشش تک سامنے رکھے کچھ کھینکے کے کچھ نہ پڑی تھی۔ عبداللہ جمال کے، اگر جو سر پر احمد صدیقی اسے اجا یک کھڑا کر کے کچھ ہو چیتے تو وہ یقیناً گڑبڑا جاتی کہ وہ کلاس میں وہ کجی غیر حاضری۔
”رائتل تمہارے پاس لاسٹ سمسٹر کے نوٹس ہوں گے۔“

سر زہر کے کلاس روم سے باہر نکلنے ہی ان کی کلاس کیلورائیڈ آئی۔
”تھے تو مگر ٹینڈے نہ کافی کروانے کو لئے تھے اس کے پاس سے شعیب نے لئے پھر کر اور نے اب کس کے پاس ہیں مجھے نہیں معلوم۔“ رائتل نے بتایا۔

”تم عبداللہ سے لے لو اس کے پاس نہ بھی ہوئے تو وہ نہ بنانے میں تمہاری ہیلپ بھی کر سکتا ہے۔“ نتاشہ نے ہمدردانہ شورہ دیا۔
”ہمیں فاسٹ سمسٹر کے نزدیک لاسٹ سمسٹر کے نوٹس کی کیا ضرورت پڑی۔“ رائتل کو خیال آیا تو پوچھ لیا۔
”میری تیاری صفر سے بار لگتا ہے وہ جاؤں گی اسی لئے اگلے سال کے لئے تیاری پہلے سے مکمل کرنی ہے۔“ رائتی کا انداز وہ ایسا تھا وہ دونوں

نہیں پڑی۔

”ہمیں فائن آرٹس سے اپنی چڑھ تو اسے جوائن کیوں کیا وہ ایسے تمہاری میلی کے زیادہ لوگ ڈانرز ہیں ہمیں میڈیکل لائن میں جانا چاہیے تھا۔“ نتاشہ کے کہنے پر وہ مصنوعی پچاری سے بولی۔

میڈیکل لائن سے فرار کے لئے تو آرٹس کو چننا تھا اسے ڈانرز میں مجھے اپنا کھانا وجود تھا۔ ایمان سے بھی ملکی چھینک بھی آجائے تو کھر میں موجود میڈیکل ڈانرز اپنا پناہ تجر بہ مجھ بدست سے پرائیوٹ لے لیا، ماہ، بھائی تینوں اپنے اپنے ڈانزری نئے آزماتے اور مجھے میڈیکل لیاڈری بنانے پر مل جاتے ہیں اب تک ایک من گولیاں تو میرے اندر جا چکی ہیں۔“ وہ مبالغہ آرائی کر دھ کر رہی تھی۔

”وہ آپس کی بات ہے پیرٹس میں دونوں کو کسی بھی قسم کا ڈاکٹر نہیں ہونا چاہیے۔“ وہ ذرا جھکتے ہوئے پوئی تو ان کے چہرے پر بے ساختہ کھلکا۔

”آج کالج سے واپسی پر تمہیں میرے ساتھ فورٹس اسٹیجیم جانا ہے نتاشہ نے ڈیپارٹمنٹ سے باہر نکلنے ہوئے رائتل کو مطلع کیا۔“

”ابھی دو دن پہلے تو تم ہی تھیں اور سیکڑوں المظلمتس کی اشیا پر ہزاروں روپے خرچ کئے تھے اب کیا لیتا ہے؟“ رائتل نے کھوڑا۔
”کلائینل لپٹرچی کی کتابیں پر سیلنگ ہوئی ہے۔ اپنے پسندیدہ ڈانرز کی کچھ کتابیں لے لوں گی تم چلو کی نا۔“

”پہلے ہی تم نے بہت کتابیں جمع کی ہوئی ہیں کوئی ضرورت نہیں مزید لینے کی۔“ وہ چڑی۔
”چلیز یا ضرورت ہے نا۔“ وہ عجلی۔
”نہیک ہے چلوں گی مگر پھر آواری سے ڈر

کہہ انا ہے۔“ وہ پھیلی۔

”قبول ہے رشوت خور کیا یاد کرو گی کسی سچی سے پلا پڑا ہے۔“ متاثران کی جھنجھٹ

”یاد ہے عبداللہ کتنا ڈشنگ شخص ہے اگر یہ

انگنڈ نہ ہوتا تو قسم ہے میں اس پر عاشق ہو جاتی۔“ شمیمہ احتشام گلتا بی کھاس پر بھیکتے

ہوئے بولی تو ان دونوں نے پہلے اسے پھر عبداللہ کو دیکھا جو کان کے سبزہ زار میں اپنے دوستوں

کے ہمراہ پیشا ہوا تھا عام سے ٹراڈ اور شرٹ میں بھی اس کی مردانہ وجاہت اور متناسب جسم دور

سے ہی اسے اپنے ہم چڑھوں میں ممتاز بنا رہا تھا۔ اپنی ہائیت سے وہ دیکھنے والے کو فوراً متوجہ کر لیتا

تھا۔ ”وہیے میں نے اس کی عجبتر دیکھی ہوئی ہے بہت عام سی لڑکی ہے۔“ شمیمہ نے بتایا تو

رائیل عبداللہ کو دیکھتے ہوئے ہی بولی۔ ”اس کا عام ہونا بھی خاص بناتا ہے اسے کیونکہ وہ عبداللہ جمال کی محبت ہے اسے عبداللہ

کے دل میں رہنے اور سانسوں میں دھڑکنے کا اعزاز حاصل ہے۔“

”واقعی یہ تو ہے۔“ شمیمہ نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

”مجھے تاسف ہو رہا ہے کہ تم سب کچھ جانتے ہو جیسے ابھی اس تک رسائی پانے کے خواب کو آنکھوں میں مہمان بنا نہیں ہو جالانکہ

دشت میں کھڑی بھر چھاؤں کا امکان بھی نہیں پھر بھی تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں سانی۔“

متاثرہ نے رائیل کو دل میں مخاطب دیا جو اب اپنے ہاتھ کی لکیروں کو بغور دیکھتے ہوئے

شاہد عبداللہ کا نام کو محو رہی تھی۔

”جیسا سنائیں کہ کسی گرم میدان علاقے کی سڑک پر کوئی بادل آخر آیا

یا برغانی علاقوں میں

پر فاری کے موسم میں گرم اور دھوپ کی لوجی ہو

کتنی سادہ بات ہے کہ علاقوں اور موسموں کے

اپنے لگے بندے مزاج ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ

جھڑاؤں کی سمجھ میں بھی نہیں آتی

تا جہاں نے اس بار بھی ان سب کے لئے بہت سے نقش بھجوائے تھے۔ چچا کی طرف ماما

کے ساتھ رائیل بھی گئی تھی۔ ان کے ہاں بھی سب کے لئے کچھ نہ بچا وہ جو تواتر سے اب بھی

ساری جگہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ ”رائیل کی بہت خوش قسمت ہو کہ بھابھی

پیگم کی بنو ہو گئی وہ اپنے دیگر رشتوں سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ ہتھوڑ پر انہیں یاد رہتی اور کچھ

بھجوائی ہیں تو پانی بہو سے جس قدر چاہت رہیں گی۔“

چچی نے خوشی و رشک کے لے لے جلے جذبات سے کہا تو شاہد نے اس کا خاموش چہرہ

دیکھ کر کوئی تاثر اخذ کرنا جا مگر رائیل کو خود کو چھپانے میں کمال ملکہ حاصل تھا وہ اتنی جلدی کھلنے

والی نہیں تھی شاہد زرو پر دین شاکر کی لمبا بات یاد آتی۔

حسن کے سمجھنے کو اک عمر چاہیے جاناں دو گھڑی کی چاہت میں لڑکائی نہیں کھلتیں

آفس دیکھانے کے جائیں گے۔ وعدہ کیا تھا کہ اپنا اٹھا کر دینی و آن کرتے ہوئے بولی۔

”تم لوگوں کا موڈ ہو رہا ہے تو تیار ہو جاؤ آج کی شام میں فارغ بھی ہوں۔“ شاہد نے

خوشگوار سے آفری کی رائیل کا موڈ بھی باہر جانے کا ہو یا تھا اس کے رضامندی ظاہر کرنے ہی وہ

تینوں گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ چچی اور امی نے اصرار کے باوجود دھڑلے میں گئی۔

”استے شامناز آس میں ماکانہ شان و حیثیت سے بیٹھ کر آپ کتنے اچھے لگتے ہوں

گے؟“ متاثرہ حوم حوم کر دیکھتے ہوئے تو سنی انداز سے بولی۔

”بات صرف اچھا لگنے کی نہیں۔ انسان میں (ذمہ داری) بھی ہونی چاہیے بغیر کسی غرض

اور مفاد کے اپنے فرائض کی پوری اور اپنے عہدے کے تقاضوں کو بطریق احسن نبھانا بھی مشکل اور دلچسپ ہے۔“ وہ سمجھانے ہوئے

بولے۔ ”آپ بہت اچھی گفتگو کرتے ہیں۔“ متاثرہ نے متاثرانہ انداز سے دیکھا۔

”یہ سب کچھ زیادہ نہیں لگ گیا۔“ انہوں نے خفیف سا ہنس بھرا کے کہا۔

”جی نہیں مکھن نہیں حقیقت ہے کیوں رائیل شاہد زربھی کو مصنوعی تعریف کی ضرورت

ہے؟“ اس نے رائیل کو بھی شامل گفتگو کرنا چاہا۔ ”بھیل، آپ واقعی بہت جینجیس اور

اچر بہو ہیں۔“ رائیل نے بے اختیارانہ کہے گئے فقرے سے بے خبر متاثر کہہ رہی تھی۔

”خوش ہو جائیے شاہد زربھی آپ کو سند مل گئی ہے ان ٹکٹ رائیل بہت کم کسی سے متاثر

ہوتی ہے اس کے منہ سے کسی کی تعریف سننا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔“

شاہد کی آنکھوں میں اسی ایک جگہ گاتے لے کے کافر بھی حسن لازوال ہو کر ٹھہر گیا زندگی کا

سفر آسان کرنے کو اسے یہ اگوتا بل ہی کافی لگ رہا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب رائیل نے ان آنکھوں

میں بیل بھر جھانک پھر سکون قرار دل سب ان آنکھوں میں رہ گیا وہ بس اپنی کم صم پڑی

دھڑکنوں کو شمار کر رہی تھی۔ شاہد زربھی آنکھوں سے یہ خوبصورت واردات بھی نہیں رہی اس کے

(177)

دل سے اٹھنے والے اندیشے اور خدشے اسی انکشاف سے پہلے گئے اور تمنا کے موسموں پر کھار چھانے لگا۔

”چلو متاثر بہت پھر لے اب جلیں۔“ یک لخت اس کے انداز میں پہلے والی رکھائی اور

بیزاری عود کر آئی آس کریم پارلر میں جا کر بھی اس کی خاموشی نہ ٹوٹی اور اس کے سے لئے دیئے

انداز سے شاہد زربھی کو آواز مانے لگتے تھے وہ دھوپ چھاؤں سمازج رکھنے والی اس پراسرار

لڑکی کو مزید شدت سے منگنے لگتا جو اپنے تک آنے والے تمام راستوں کے آگے فل شاپ لگا

کر بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ تینوں واپسی کے ارادے سے گاڑی میں بیٹھنے لگے تو عبداللہ اور عمر سے ٹراڈ ہو گیا جو انہیں دیکھ کر رک جکھتے تھے۔

”السلام و علیکم! شاہد زربھی نے گرجوش سے ہاتھ ملا کر ان کے سلام کا جواب دیا۔“

”یہ ہمارے کلاس فیلوز ہیں عمر اور عبداللہ۔“ رائیل نے تعارف کرتے ہوئے

نظر میں دانستہ نیچی رہی تھیں کہ شاہد کچھ اخذ نہ کرے۔

”اور یہ ہمارے تاؤ جان کے بڑے بیٹے شاہد زربھی انگلینڈ اور وادی میں ان کا وسیع و

عریش کاروبار ہے اسپورٹس اینڈ کرمنٹس کا آج کل پاکستان آئے ہوئے ہیں اپنے برس کو

یہاں شروع دینے اور پھر پھر قائم کرنے جب کہ دوسرا خیال ہے کہ رائیل کے یہ ہوئے

والے اعجازی خدا ہیں آئی میں رائیل شاہد زربھی منسوب ہے۔“

متاثرہ نے آگے کا تعارف تفصیلی سے کر دیا تو رائیل نے ایک تھنڈی سانس بھر کر اسے

دیکھا۔ جب کہ دوسری طرف عبداللہ اسے تنہی اور حیرت کے طے طے حشرات لئے دیکھ رہا تھا۔

”آپ بہت متاثر کن پرسائی کے مالک

(177)

ہیں میرا نہیں خیال جسے آپ جیسے بہترین شخص کی ہر اپنی ملنے والی ہو وہ لڑکی خوش قسمت نہیں۔ بہت کم لوگ اتنی چھٹا جانے والی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔

شاہ زکرا با تھمہ پکڑ کر عبداللہ نے استغاب کیا تھا اور چند سے راتیں کو بھی ٹوٹی لگا ہوں سے دیکھا جو شاہ زکری موجود کی بے لاپرواہی پر ابھری پکے اسے اے دیکھ رہی تھی۔

Thanks for this comments

محض آپ کی محبت اور حسن نیت ہے ورنہ میں تو بہت مختصر پر نصیر سامندہ ہوں۔

شاہ زکرا عاجزی سے بولے تو عمر اور عبداللہ نے بہت غصے سے شاہ زکرا کو گھر کھانے کی دعوت دی جس پر اس نے انکار کیا مگر ان دونوں کے اصرار پر یہ گھر قبول کرتے ہی بنی۔

جوڑے کی شکل میں مل دیے کر باندھنے لگی تو شاہ زکری مہم آواز کانوں سے لگرائی۔

”رہنے دو مجھے لگ رہے کھلے بال۔“

راتیں بے تحاشہ کر شاہ زکرا دیکھا تھا جو دایاں ہاتھ اسٹرنگ وینیل پر جمائے بائیں ہاتھ سے نصرت فتح علی خان کی سی ڈی ریکارڈ پلیئر میں لگا رہا تھا۔

میری آنکھوں کو آنکھوں کا کنارہ کون دے گا؟ سمندر کو سمندر میں کنارہ کون دے گا؟ میرے چہرے کو چہرہ کب عینیت کر رہے ہو تمہیں میرے سوا چہرہ تمہارا کون دے گا؟ شاہ زکرا نے اک کبریٰ کھا راتیل پر ڈالی تھی۔ جو فرنیٹ گلاس کے پار دیکھتے ہوئے آنکھوں میں آئی تھی لڑکی نصرت فتح علی خان کی آواز ابھری تھی۔

محبت نیلا موسم بن کے آجائے گی اک دن گلابی تکیوں کو پھر سہارا کون دے گا؟ میری آواز میں آواز کسی کی بولتی ہے؟ میرے تکیوں کو کیوں اک کنارہ کون دے گا؟ مجھب دور رہے یہ لگتی ہی ایسی کی زندگی وہ بیک وقت دو کشیوں میں سوار تھی۔ ایک کے چہرے سے تو دوسرے کے کردار سے محبت کر رہی تھی۔ وہ عبداللہ کی طرف چلی تو شاہ زکرا نے تھارے خوبیاں اور مردانہ وجاہت سمیت سامنے آ کھڑا ہوتا۔ اس تک جانے کا سوچتی تو دل تمام میں بیٹھ لیتا۔ دو دونوں کو کھوٹا نہیں چاہتی تھی اور دونوں کو پانے میں نام ہو رہی تھی۔

شام ڈھلے لان میں بیٹھے ہوئے ماما نے کہا۔

”راتیل ہمارا ارادہ تمہارے فائل ایئر سے فراغت کے فوراً بعد تمہاری شادی کا ہے۔ شیراز بھی کراچی میں اکیلے رہتے ہوئے اداس ہو گیا۔ تاشہ وہاں ہو گی تو اس کا دل بھی بہلا رہے گا تمہارے پاپا اور تاجا وہ بھی اب جلد اپنے

فرائض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے ہیں۔“

”ماما اتنی جلدی تعلیم کے فارغ ہوتے ہی مجھے کچھ عرصہ صوفائے تعلیم کے دریں۔“

”جنتا بھی انجوائے کرنا ہے شاہ زر کے ساتھ کرنا وہ محبت کا جواب محبت سے دینے والا لڑکا ہے تم بہت سکون محسوس کرو گی تمہاری لائف میں پیچھے آئے گا۔“

”یہ شادی کچھ عرصہ تک نہیں سکتی، میں ابھی خود کو اس تجربے کے لئے تیار نہیں پارہی۔“

راتیل نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مدعا بیان کیا۔

”کچھ عرصہ یا ہمیشہ کے لئے اپنا مطلب کھل کر بیان کرو۔“ ماما رک کر سخت انداز میں بولیں۔ وہ سر جھکا کر انگلیاں پچھانے لگی۔ اس سے کوئی جواب بن نہ پارہا تھا۔

”تمہیں جلدی شادی کرنے پر اعتراض ہے یا شاہ زر سے شادی پر انکار ہے۔“

اس دفعہ انہوں نے صاف الفاظ میں پوچھا تھا۔

”خوابوں کی دنیا سے نکل آؤ، خود کو دکھا کر دنیا نہایت احتیاطی عمل ہے۔ تم مجھے سے ایسے طرز عمل کی امید نہیں کی۔ جب تمہارے علم میں ہے کہ تم ایک اندر سے راستے پر جاری ہو تو پھر مشکل چلنا اور مزید چلنے کی تنہا کیوں؟ کیا تم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہو کہ وہ تمہیں دھتکارے تمہاری خواہش و چاہنا محبت کا غنائی اڑائے۔ لڑکیوں کے لئے یہ پیچیدگی ہی تعلیمی جرم بن جاتی ہے اور وہ دل کی عدالتوں میں تمام عمر روٹی پھرتی ہیں۔ محبت کرنا آپیں بھرتا ہے اداس اداس پھرتا سب مڈل کلاس لڑکیوں کے رویے ہیں تم اپنے کلاس کی لڑکی ہو تمہارے لئے کسی مرد کو جنون بنا کر ذہن پر سوار کر لینا طبی درست نہیں ہے۔“

”ماما محبت جیسے خالص جذبے کو تو کلاسز میں مت بائیں محبت تو درجہ بندی ذات و بات سے آزاد ہے اس پر کسی مخصوص طبقے کی اجارہ

داری نہیں۔“

”اسناپ اٹ راتیل یہ تھرڈ کلاس ناولوں والے ڈائلاگ میرے سامنے نہ دہراؤ فرض کرو تم عبداللہ سے شادی کرنے میں کامیاب بھی ہو جاؤ تو کیا ہوگا؟ وہ عمر بھر تم سے نفرت کا گہر بارگاہ راجہ رہ دیکھ کر اسے کئی کشیدہ محبت یاد آئے گی۔ تم ایک دولتی زندگی گزار پاؤ گی۔ کچھ پانے سے پہلے کھانا تکلیف دہ ہے مگر پا کر کھانا بہت زیادہ اذیت ناک ہے اور تم اس اذیت کو اپنی پوری زندگی پر محیط کرنا چاہتی ہو کم از کم اپنی نظر دہ میں لو اپنی ذات کو مستحضر رہنے دو۔“

ماما مافی سے حج کا آئینہ دکھا رہی تھیں۔

”زندگی کو زندگی سمجھ کر سمجھو یہ ایک حقیقت ہے افسانہ نہیں۔ تم کو تمہاری احسانہ محبت کو ابھی سمجھ کر عبداللہ کیسے ہو سکتا ہے تم سب حسب نشاہ یا سکتی ہو۔ بہت سے لوگوں کو ناراض کرنے سے بہتر ہے تم ایک تنہا سے منہ موڑ لو، خواہش مار کر زندہ رہنا آسان ہے دل تو زکری کی کرنا مشکل پھر ہم صرف مشکل راستہ کیوں چنیں جب کہ آسان راستا صرف صاف دیا اور سچا ہے تم ذہن کو خالی کر کے کچھ دور اگر صرف شاہ زر کے متعلق سوچو فیملی کرنا بہت آبی ہوگا۔“

انہوں نے تمام تر توجہ صرف کرتے ہوئے سمجھانا چاہا۔ راتیل اب بالکل خاموش تھی چہرے کے تاثرات ابھی سپاٹ تھے جس سے اندازہ لگانا مشکل تھا وہ کیا طے کر رہی ہے شائد بگم نہ جنتا ہے اس کے سپاٹ وجود کو دیکھا تھا پھر اسے ساتھ لگا کر کھینچنے لگیں راتیل کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کر ان کے سینے میں جذب ہونے لگے۔

شاہ زر کچھ دنوں کے لئے دوسری گیا ہوا تھا راتیل کے آنے والے دن بھی ایئر ماسٹر کی مصروفیات میں گزارے۔ اسے کالج میں عبداللہ

”کتنے مشکل اور تکلیف دہ ہوتے ہیں بعض سفر، کتنے ہی نہیں جیسے محبت کا سفر، آرزو کا سفر سوز، آتھ تک کا سفر تنہا سے دل تک کا سفر بولن ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اس سفر میں مگر خواہشیں دہیں تو تینوں دل آخری لمحے تک ہلاک خوش گمان رہتا ہے محبت کرنا مشکل بھنا مشکل اور محبت بانے کی گن ابو کے تنے سمندر میں نہانا ہے۔ شہر دل میں کرم وصل کی بات بھی تو ہو سکتی ہے پر کیسے۔“

راتیل نے سوچتے سوچتے بے بس ہو کر تھک کر سر میٹ کی پشت سے لگا دیا تھا۔ جبر کا مہینہ تھا موسم بدلنے کے باعث ہوا میں بھٹک کر شرارت پر آمادہ ہونے لگے اور لہراتے ہوئے ڈرائیوگ کرتے شاہ زر کے چہرے کو چھو کر مڑتے تو نیپاں وہ خوشگوار سی ڈسٹ میں بیٹھتا وہیں راتیل بچھلا کر بال کانوں کے پیچھے اڑنے لگتی مگر ان کی شوخی عروج پر بھی ٹھک آ کر وہ

الہائی بھی دیتا تو وہ خود کو سمجھانے لگتی مگر آخری بہرہ دے کر جب وہ اپنے کلاس فیلوز سے ملتی ملانی عبداللہ کے پاس پائی تو اس نے سوچا تھا۔
”مگر کچھ نہیں میں اسے ہاتھ میں کرلوں تو عین ممکن ہے میرا جیون جھگڑا آئے۔“

”کیسے خاموش رہنا اچھا ہوتا ہے الفاظ کا گانا اندر ہی صوفٹ دیا جائے تو دوستوں کے بھرم ٹوٹے نہیں پاتے ہو سکتا ہے دوسری طرف کا منظر جنہیں برداشت نہ ہو۔“ نثار نے دے لفظوں میں کہا وہ نظر انداز کر کے عبداللہ کی طرف بڑھ گئی۔

”رائیل آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا میرے پاس تمہارے لئے ایک چیز ہے۔“ عبداللہ نے خوشدلی سے اسے دیکھ کر کہا۔
”پلیز بیٹھو۔“ کا ریڈور کی بیرونی سیڑھیوں پر بیٹھے عبداللہ نے آفری کی وہ درمیان میں کچھ فاصلہ چھوڑ کر بیٹھ گئی۔

”یہ تمہارے لئے ہے تمام کلاس فیلوز کو میں دے چکا ہوں صرف تمہارے انتظار میں بیٹھا تھا۔“ عبداللہ نے اس کے انتظار میں بہت اسٹالٹس سا کارڈ تھا پتا تھا جس پر خوبصورت لکھائی میں Wedding Cingsatulation کا سلوٹن جگہ کار ہوا تھا رائیل نے متوجہ نظر سے عبداللہ کو دیکھا اس کی نظروں میں جانے کتنے صوفان پوشیدہ تھے۔ چہرہ جھکا کر اس نے نزلتے اسیوں سے کارڈ اندر سے نکالا تو وجود میں اچانک درد ہی سبب اٹھنے لگیں اس کا چہرہ سفید پر گہرا وہ بے بسی سے عبداللہ کو دیکھے جارہی تھی نثار کو لگا تھا اگر وہ کچھ دیر لمبی رائیل کو دیکھتی رہی تو اس کا دل پھٹ جائے گا تم سے وہ اچانک مڑی اور کانچ کی شاندار عمارت سے باہر نکلے گی۔
رائیل کو لگ رہا تھا تمام الفاظ وہ مثنیٰ کیم گم ہو چکے ہیں وہ جو بہت کچھ کہنے اور بتانے کا سوچ کر پہنچی تھی اس کے لبوں سے جیسے حرف اچانک

رودھ چکے تھے گہری چامچ فیسوں نے خیر سوں کا ٹوٹا سا نایاب کھملا میں لیتا تھا۔
”دعا تمہیں دو گی۔“ عبداللہ نے اسے خواب غم سے جگایا۔

”صرف دعا میرا تو سب کچھ تمہارا تھا عبداللہ کا شتم سمجھ پاتے۔“ الفاظ اس کے پھر پھر اڑتے لبوں میں کا پ کر اندر ہی کھٹ گئے اس کے دل میں کر بلا پچی ہوئی تھی مگر لب حتی سے ایک دوسرے میں بیوست تھے۔
نہ کوئی موسم ہمارے مانتین زندگی کی بشارتوں کا نہ کوئی اظہار ذہن و دل کی تہوں میں رہتی

رفاقوں کی کہانیاں کا نہ کوئی احساس قربتوں کا نہ ایک بارش میں بجھتے ہم نہیں سے گزروں نہ قسم و جان کی مہک نے قدموں کو گم گایا نہ کوئی بھول خوالہ ہوشوں کے بدن میں آیا نہ ہم نے ایک دوسرے کی آنکھوں سے خواب دیکھے

نہ یاد تھا قسے ہوئے وفا کے سفر پہ نکلے نہ یاد تھا نہ راہ بھولے نہ ہم نے ایک دوسرے کی عمروں کے فرق کو اک سچ پر لا کر

مثال حرف غلط نمایا نہ دل میں ایسے کی احساس کو جگایا مگر یہ ظالم ہونے کیسی نفا بنادی کہ اب یہی ایک راستہ ہے

اب اس پہ چلنے سے پاؤں چھلنی بھی ہو رہے ہوں تو ہونٹ کی سی ہے جو خواب دیکھے نہیں تھے ہم نے انہی کے ہونے کا زہر پی لیا

”رائیل Are you ok“ عبداللہ نے اس کی خاموشی اور سستی آنکھوں سے کھرا کر پوچھا۔

”Please just leave me alone“

رائیل نے چہرہ مونڈتے ہوئے کہا تو عبداللہ کچھ دیر تذبذب میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک سر دسا سس کے کر وہ کانچ کی مرکزی عمارت کی جانب مڑ گیا یہاں اس کی دوست فطرت کھیلوں سے دیکھ رہے تھے۔ رائیل بھی دیر وہیں بیٹھی رہی نثار اس کے موبائل پر کال کر رہی تھی وہ ریسیو کے بغیر آف کا بٹن دبا کے اٹھ کھڑی ہوئی اس کا رخ کانچ کے پار رنگ ایریا میں کھڑی اپنی گاڑی کی جانب تھا۔ وہ کھٹے تک پورے لاہوری مردوں پر بے مقصد گاڑی گھماتے گھماتے تھک گئی تو کھر پائی۔

اس نے کھر میں قدم رکھا تو دل چاہا کسی کے سینے سے لگ جائے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دے اس محبت کے فوٹے کا ماتم کرے جو بھی ملی نہیں تھی۔ وہ تو اسے یو فانی کا الزام بھی نہیں دے سکتی تھی کہ اس نے وفا تمھارے کا وعدہ پتی کب کیا تھا۔ وہ دھانی کا داوا بھی ملتی نہیں کر سکتی تھی مگر کون ہوا یہی کب تھا۔

نہ ملا نہ سے پوچھنے پر پتا چلا کہ ماما چھوٹے چچا کی طرف تھے۔ پاپا آس میں ہی تھے۔ رائیل سیدھی کمرے میں چلی آئی بیڈ پر اووندھے مگر گھر اندر شور مچاتا مارا پائی آنکھوں کے راستے بھانے لگی۔ وہ روئی رہی سے تماشا دکھا میں چھلکتی رہی اتنا کسر درد سے پھٹنے لگی بی بی تھریڈو ہو گیا اور جو تیسرے بے ہوش میں چلا گیا۔

شانہ بیگم نے گھر آتے ہی رائیل کے کمرے کا رخ کیا عمارت کے نو بج رہے تھے اور وہ مکمل اندھیرا کیے بے سدھ پڑی تھی کھنڈا اور پسینے میں تر سیم اسے چھوٹے ہی ان کا دل خوف سے بیکار کی پھیل کر سکڑا تھا۔ ہاتھ بیروں سے جان نکلنے لگی تھی۔ رائیل جیسی جذباتی لڑکی سے کسی بھی فعل کا امکان بھی بعید نہیں تھا۔ اس کے دل پر ہاتھ کر کہ انہوں نے مدہم انداز میں چلتی دھڑکنوں کو سنا تو کچھ سکون محسوس کر کے

اپنے فیملی ڈاکٹر سے کھلیتے کرتے لگیں۔
فہیم صاحب ڈاکٹر کو لے رائیل کے بیڈروم سے آئے تو ان کا سنجیدہ چہرہ بھی پریشانی کا غماز تھا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے فوری بعد اسے ہاسپٹل لے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ ہاسپٹل میں اسے ہوش میں لانے کے بعد کچھ انجکشن لگائے گئے ڈرپس لگیں۔

”نرسوں بریک ڈاؤن کا پکا ایک تھا۔ اب وہ خطرے سے باہر ہے کچھ دیر بعد انہیں روم میں شفٹ کر دیا جائے گا کوشش کیجئے گا کہ انہیں پریشانی سے ہر ممکن بچایا جائے۔ کسی شدید صدمے کا باعث بنی ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔“ ڈاکٹر نے بتایا۔

شاہ ذرا اس کی طبیعت بگڑنے کا سننے ہی دہی سے پاکستان پہنچ چکا تھا اور بہت سی دعاؤں کو لبوں پر سجائے خدا سے اس کی صحت و زندگی طلب کر رہا تھا۔ رائیل کو طبیعت کھینچنے ہی روم میں شفٹ کیا گیا تو شاہ ذرا اس وقت بھی کمرے کے ایک کازر میں جسدہ ریڑ تھا، ماما، بابا، بھائی، تاجہ چچی چچا جیسے سب لوگ اس کی تکلیف پر اپنی دعا میں اور چاہتیں لے فوراً آ پہنچے تھے۔
”رائیل بیہوش ایک محبت نہ ملنے پر ماتم کناس تھیں ویسوی تھیں تمہاری ہیں۔ تم ایک شخص کے گم میں دنیا چھوڑ جان کا سوچ رہی تھیں کتنے لوگ تمہاری زندگی کے لئے خدا کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں۔ تم ایک ہی انسان کے لئے دنیا جیتیں تھیں تمہارے لئے اس سے بھی بہتر اور اس سے بھی زیادہ اچھا فعل کرش راہ لئے کھڑے ہیں۔“

اس کی آنکھوں میں نمکین پانی اترنے لگا جسے کمال ضبط سے واپس اپنے اندر اتار لیا۔

خدا! کچھ تو کچھ نہ دے نہیں کچھ بھی نہیں چاہیے اب

بس اس کی خواہش
پوری کر دے
جو دعاؤں میں
صداؤں میں
مجھے ہی مانگتا ہے

شاہ زرنے چہرے پر دونوں ہاتھ بھیرے
وہا کا اختتام کیا اور بے اختیار درویش نگاہوں
سے راتیل کو دیکھا جس کی پوسچ نظریں اب بھی
اس پر جمی تھیں۔ راتیل کو اس کی آنکھوں کے
چند بے شہرے شہرے نظر آئے تھے جیسے وہ کسی
فیصلہ نہ کرنے کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ کچھ کہہ
گا؟ اس کا دل چاہا وہ ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ
بغیر یہاں سے بھاگ جائے تمام تر دشت اور
دوسوں سے نظریں چراگے کسی کو نہ کھارے
میں چھپ جائے۔
راتیل نے ابھی سے آنکھیں بند کر کے سر
تکیے پر رکھ لیا تھا۔

جائیں۔“ ہندوؤں نے اس کو حکم سنایا۔
تاشہ اور شاہ زرو ہاں رہ گئے باقی سب کو
ایضاً اصرار نہیں ہونے لگا۔ تاشہ بیگم کو
تخصیص کردہ کوچہ چھوڑ کر کے اور کچھ دیر آرام کے بعد
جائیں گی۔

”شاہ زر بھائی میرا خیال ہے آپ بھی جا کر کچھ دیر آرام کر لیں رات بھر جانے کی وجہ سے آپ تھکاؤٹ اور بے چینی کا شکار ہوں گے۔“
فتاشر نے شاہ زر کی شریقی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا جو سرخ ہو رہی تھیں۔

”اے نہیں سسڑا تو آبی دیر جا گئے سے کچھ نہیں ہوتا میں آل ریڈی فریکٹ ہوں پھر یہاں میری ضرورت پڑ سکتی ہے۔“ شاہ زرنے رائیل کو دیکھا جس کے چہرے پہ نہ پہلے والی بشارت تھی نہ تازگی، بلکہ عجز، حزن، و ملال تھا۔

ضرورت پڑی تو وہ کام آئے گا پھر ہمارے کچھ
کان فیروز جن میں میل اور بی میل اسٹوڈنٹس
وہ آ جا رہے ہیں وہ بھی راہیل خدا کے فضل
سے ٹھیک ہے اس لئے میرا پر خلوص مشورہ یہی
ہے کہ آپ ہمارے گھر جا کر ایک گھنٹہ سہی مگر
تھوڑی تیند لیں۔“

فتش کے پروردگار اصرار برہمے لیے گئے شہ
 ذرے کے جاتے ہی ان کے چند کا اس فیروز آگئے جو
 انہی دلچسپ باتوں سے راتیں کو نہاتے رہے
 خصوصاً عمر پستل چنگے چھوڑ رہا تھا۔ اب تک
 عبداللہ نہیں آتا تھا اور اس بات کو راتیں نے بہت
 محسوس کیا تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے
 منٹ بعد عبداللہ بھال نہ پڑا تو بیٹ باہل کے
 اس روم میں قدم رکھا تھا یہاں راتیں نہیں آئے
 تھی۔ عبداللہ نے تھیر سے راتیں کو دیکھا تھا وہ
 جو حسن و خواہش کی مکمل نمونہ تھی اپنی یہ حد کیسر
 کہ راتیں بھی پیلا چھوڑ چکا تھا لباس زیب تن
 لئے باہل میں تھی۔

”اس کی دل گرفتگی کا ذمہ دار میں ہوں یہ زندگی سے بھرپور لڑی مجھ سے محبت کی سزا کاٹ رہی ہے۔“ عبداللہ کے دل میں پشیمانی مزید بڑھی تو اس نے عہد کیا۔

”اور یہ میرا وعدہ ہے راتیں کہ تمہاری
زندگی کو خوشی و محبت اور سکون بھی میں دوں گا۔
مجھے سب سے ادا بیوں کے ہونا کہ جنگل میں
بہت سی ہوتی ہیں جیسے خوشیوں اور باتوں کے
درمیان وہ میری کہ محبت کی کہانی تم نے کبھی تو
بہرہ نہ سمجھے چنا یہ اور بات کہ یہ یاد کرنا میرے
نصیب میں تھا ہی نہیں لیکن بہرہ صرف وہی تو
نہیں ہوتا جو اینڈ میں اپنی محبوبہ کا ہاتھ پکڑے خوشی
کا گیت گاتا جائے بلکہ کہانی میں سب سے حسین
اور مشکل کام کو اپنے انجام تک لانے والے شخص
کو بھی بہرہ کہتے ہیں عبد اللہ جمال وہی بہرہ
ہے۔“

تو تازہ و چھلوان کا بے رائیل کے ہاتھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے صحت و زندگی کی مبارک دہی تھی۔ پاس رہی چیز پر بیٹھتے ہوئے عبداللہ نے دیکھا رائیل یک تک اسے دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر پہلے تاثرات عبداللہ کو نظر میں آئے۔ چنانچہ اس نے کہنے لگا۔ چنانچہ اس نے کہنے لگا۔ چنانچہ اس نے کہنے لگا۔

”رائیل کچھ رشتے اور کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جن کا وجود ہمارے دنیا میں آنے سے پہلے ہم سے ۱۲۰ ہوتا ہے کوئی جذبہ پہلی بار آنکھ کھولنے ہی پتیلیں میں غم جاتا ہے پھر کمرے آگے بڑھ کر اس نقش کو کھرہنے کی کوشش کر لے گا کامیابی پہنچے گی جس میرے لئے ایسا ہی احساس و ہوس ہے میں نے اسے محبت کرنا سیکھی ہے تو ہر کچھ کے ہوا کے محبت کا پہلا سبق ہی فراموش کر دوں غم کی محبت نے میری زندگی کو جھٹنے کے ہنر عطا کیے تھے اس وقت جب میں خود کی تک کرنے کا سوچ چکا تھا کُن نے میرے اندر خوشی و مہروری کا نصف ابھارا تب جب میں ہر جذبے سے ہر کیفیت سے بد دل تھا اور خدا گواہ ہے کہ اگر وہ یہ سب نہ کرتی پتی میری زندگی نہ تھی اس لیے محبت میں فرق نہ تھا غم کہ ہوا کو محبت کو تولد کے عمل سے

یہ نیاز ہوئی ہے اسے اس بات سے غرض نہیں
 ہوئی، جس کو وہ خطا کر رہی ہے وہ بدلے میں کیا
 دے رہا ہے؟ وہ یہ مفاد و ترغیب سے بالاتر ہو کر
 برحقیت کو جیت جاتی ہے اور نہیں پریم تھا کہ
 تمہیں۔ تم نے مجھ سے محبت کی تو یہ سوچ کر کہ
 بدلے میں میری محبت پاؤ گی اگر گرم محبت میں
 بدلے کی امید نہ رکھیں تو میں ممکن تھا وقت
 تمہارے حق میں فیصلہ نہ دیتا۔ سنو اور اہل محبت
 میں پاپا بھی سب سے بخیر ہیں جو تامل پا کر کہ دو ان
 کرتا پاپا نے ابھی کسی تجویز کی حق سے متبردار ہوں
 جانا محبت و انسانیت کی حق سے بڑی معارف

ہے اور تم خوش قسمت ہو کہ میرا ان محبت تمہارا
 پلڑا اس لحاظ سے بھاری و برتر ہے۔ تم عبداللہ
 جمال کو اس کی اٹھ عطا یا پسند نہ پڑے کہ باوجود
 اپنی محبت کے رنگ میں دو بچی ہو۔
 راستہ کی آنکھوں میں ابجھن آمیز حیرت
 کر دینے لیتے تھی۔ چہرے پر چمکنے کے ساتھ
 بے یقینی کی مہربانی رسولؐ کی عبداللہ نے بلکہ
 سے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

”مجھ پر یہ اعتراف بہت اچانک ہوا تھا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور مجھی مجھے تمہارے تعاقب میں اپنی محبت نظر آئی جس کے ساتھ میں ابھی دنوں کی امید بھی غلاب موسموں کو نوید بھی لگتی اور مجھے اچھا نہیں لگا کہ کبھی چہرے کو نوید دینے کی خاطر میں اپنی چہرہ کو کھانچا دوں۔ راتیں دھیمے کے خواب سلاتا رہنے کے لئے شاہ زرا اور حسن کے خواب توڑ دوں۔ ان سے وابستہ رشتوں کو طال دوں یہی سوچ کر میں نے اپنی محبت کو چھپا لیا مٹایا نہیں اور مجھیں تو مٹ سکتی نہیں چاہے تم نہیں ہو میں نہیں ہمارے اندر ایک دوسرے کے لئے سب لٹانے کا جذبہ ہمیشہ رہے گا۔“

دراصل غزل کی یہیں صرف قیوت کی محتاج ہوتی ہے ورنہ قہر پر پہنچ کر بھی نامعرباب میں ٹھنک سکتے ہیں۔“

رائیل کی سر مئی آنکھوں سے بہتے آنسو
حیرت سے رک چکے تھے وہ ادراک کی نئی جہتوں
سے روشناس کرائے والے وحیہ مرد کو مگر غم دیکھ
رہی تھی۔

”رائل تم بہت اچھی ہے حد حسین ہو میں
 بہت اچھا ہے حد بندہ ہوں تو گھسا اس دنیا کی ہر
 اچھی اور خوبصورت چیز صرف اگلی رکھنے سے
 ہماری ہو جائے گی۔ نہیں محبت ملتی ہو تو بغیر کسی دعا
 و کوشش کے لمحے میں مل جاتی ہے نہ ملتی ہو تو سب
 کوششیں بروئے کار لانے سے بھی نہیں ملتی خواہ
 ہم کتنا طویل سفر کر لیں مگر راستوں کا تعین نہ ہو تو

منزل نہیں ملتی پھر یہ پچھا نہیں کہ ہم کچھ راستے سے
پلٹ آئیں طاعن کا موبوم سا احساس بھی تو مٹ گئے
خوش ہوتے ہیں میں رہ کر دھوکے کی عمر گزارنے سے
یہ بہت بڑا تجربہ ہے۔
عبداللہ سانس لینے کو کا چند لمبے خاموشی
اس کا زرد چہرہ دیکھتا رہا پھر اس کے دونوں
ہاتھ تمام کر راتیل کو بڑی دلکشی سے سکرانے
ہوئے کہا۔

وہ جو مچھلیوں کی جبین رکھتا ہے
شام آنکھوں میں نہیں رکھتا ہے
اس کے بلبوں دریدہ کو نہ دیکھ
وہ خند خال حسین رکھتا ہے
”ہم محبت نہیں ہمارے نہ زندگی ہمارے ہیں
ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ ایک محاذ پر پسا ہو گئے
ہیں تو کیا لئے جئے قاتلوں کی طرح لاچار وہ
بس ہو کر بیٹھ جائیں؟ ہم زندگی نہیں گئے اسی
طرح جسے محاذ پر جیتنے والے جیتے ہیں۔“
”کیا جیتی ہو ایسا ہو سکتا ہے باتیں“

عبداللہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا
تھا۔ عبداللہ کے گرم ہاتھوں میں اس کے سر
ہاتھ کانپ رہے تھے اس کی بے حد بران آنکھوں
میں آنسوؤں کا طوفان پھر پھڑپھڑانے کو تیار تھا۔
اب اس سے نہیں لڑوں گے سے جو حال تمہارے بعد ہوا
اس دل کی سبیل کی آنکھوں میں ایک خواب بہت برباد ہوا
اس شہر میں کچھ نہ تھے تھے کچھ باتیں سب بھول گئے
اک شخص کتابوں جیسا تھا وہ شخص زبانی یاد ہوا
”بھئی یہ میرے بس نہیں نہیں عبداللہ میں
جہیں کسی صورت اپنی زندگی سے اپنے دل و
دماغ سے نکال نہیں سکتی“

”Its to difficult“ اس کا چہرہ
آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ جو چٹپٹا دل و صوب
کھڑی ضبط کی پہلی میزھی عبور کرنے لگی تھی
عبداللہ جمال کو سامنے پا کر ایک پھر سمرائز
ہوئے گی۔ شاہ زر کی جانب پیش قدمی پر آمادہ

قدم پھر ڈنگانے لگے تھے سر عبداللہ نے ساکت
وجود لئے چپ چاپ اسے دی بوجھت سے
دیکھا۔ اسے اندازہ تھا کہ یہ کام مشکل ہے مگر اس
مشکل کو آسان کرنے کا بیڑہ تو اس نے اٹھایا تھا
اس نے گھر کا سامان کوئی کام نہ مکمل نہیں چھوڑا تھا
پھر اسے کہے ادھورے راستے پر چھوڑ دیتا جو
منزلوں کے خوش گماں خواب لئے اس سے محبت
کر رہی تھی۔

”راتیل محبت روح اور دل کی طلب و
کوشش ہے وجود کی جاہت مچھلیوں کے آئینے کو
رمزوں کا دیکھنے سے بلکہ گرد بار و ذہن کو بھی ناقابل
اعتبار دھندلا عطا کرتی ہے اور بھی چاہی
کیا؟“ سر عبداللہ جمال کے آئینہ دل میں قمار
جگمگا تا عکس دھندلائے یادہ اپنے دل میں
تمہارے لئے اچانک بیدار ہو جانے والے
جذبے پر پچھتا تا پھر۔ ”عبداللہ نے نفسیاتی
طور پر اس کے احساسات پر ضرب لگائی تو راتیل
نے بے ساختگی میں سر ہل کر کہا تھا۔

”بھئی میں تمہارے دل میں خوش کن خیال
حسین یاد دہی کر چیتا چاہتی ہوں مجھے ہر جدائی
منظور ہے تمہارے درپے یقین و اعتماد سے
در بدری نہیں۔“

”تو پھر خود میں اعتماد نفس، خود اعتمادی پیدا
کر۔ وہ محبت بانٹا، محبت بانٹا اور محبت کرنا سیکھو۔
میں زندگی میں پہلی اور آخری بار تم سے کچھ طلب
کر رہا ہوں تم مجھے میرا وجود لوٹا دتا کہ میں جن کو
اپنی زندگی میں لاؤں تو نہ صرف میں خوش ہوں
بلکہ وہ بھی خوش ہو اور میں بدلے میں تمہیں
زر محبت کا ساتھ و محبت بطور تحفہ دیتا ہوں تاکہ تم
خوش رہو اور وہ خوش رہے۔“

”جاؤ عبداللہ میں تمہیں اپنی محبت و خواہش
کی قید سے آزاد کر رہی ہوں۔ میری طلب کے
موسم تمہیں آج کے بعد آواز نہیں دیں گے مگر
میں تمہیں بھول جاؤں گی اس کا وعدہ نہیں کر سکتی

کہ کچھ باتیں لاکھ چاہئے پر بھی دل کے اعتبار
میں نہیں بولیں اور رہے خواب تو خواب مرتے
کب ہیں کھو جاتے ہیں جس طرح تم کھو رہے
ہو۔“

عشق سمجھے تھے جسے وہ تھا نارسائی کا رشتہ!
اس کے اور میرے درمیان تھا صرف جدائی کا رشتہ
اس کی آواز بھرانے کی تو وہ چپ ہوئی چند
لمحوں کے وحشت ناک سناٹوں کے بعد عبداللہ
نے اٹھتے ہوئے راتیل مچھلوں کو دیکھا تو دل کے
انہنی کوششوں میں اسے چھپا کر رکھنے کی تمنا بیدار
ہوئی مگر وہ بلا کا مضبوط بندہ تھا لمحوں میں خود پر
قابو پا گیا لیکن اس کے منہ سے ادا ہونے والے
الفاظ بڑے مہکا کی انداز میں نکلے تھے۔

”میں نے ایک حد حدت بھی پہنچی کی جو محبت
ہمیں دنیا میں نہ لے دے وہ آخرت میں ہمارے لئے
ہماری اچھائیوں کے عوض ذخیرہ کر دی جاتی ہے
میری دعا ہے کہ میں تمہاری محبت کا اجر آخرت
میں اور تم مجھے تک ہمیشہ کے لئے لانے والی
شاہد بھی اچھائی کافی ہے کہ ہم دونوں نے ایثار
کر کے بہت سے دل ٹوٹنے سے بچا لئے۔“

جانے کیا ظلم تھا ان لمحوں میں؟ کیا
جادو تھا ان لمحوں میں؟ اور کیا اس خاص دعا میں
لچھے میں عیاں ہوتے اقرار محبت میں؟ کر راتیل
مچھلیوں کی سی بیاب ہوئی اسے لگا کہ وہ بار بار کبھی
جیت گئی ہے اس کے اندر بار خوشی و بے نیازی کا
عجب نقش سرایت کر گیا۔ چہرے پر کوئی کڑی سے
صاف کیا تو اس نے سوچا۔

”اب اور کیا چاہیے سب کچھ تو مل گیا ہے
میں اپنی باقی ماندہ عمر ای سنہری پل کی سرشاری
میں گزاروں گی۔“

عبداللہ جمال نے محبت کی دیوی کو بل بھر
عقیدت و احترام اور جاہت کے جذبات بھری
نگاہوں سے آخری بار دیکھا اور ہاں سے باہر نکل
گیا۔

نتاشہ جو دانتے نہیں اکیلے چھوڑ کر گئی تھی وہ
انداز کی تو استقبال آمیز حیرت میں گھر کی اس
کے سامنے بیٹھی راتیل مچھلی بڑے پرسکون انداز
میں سکر رہی تھی۔

”نشاہ میرے اندر کوئی خلش، کوئی کبک،
کوئی دکھ نہیں رہا وہ چلا گیا مجھے چھوڑ کر مگر
درحقیقت یہیں ہے میں اسے باتیں سکی پر اس
کے دل کی انتہائی تنہائی کی یہی وجہ محبت ہے۔
نشاہ نے لب کاٹتے ہوئے پریشانی سے

سوچا۔
”صدے نے شاید اس کے دماغ پر اتار کر
دیا ہے جو انساں سیدھا بول رہی ہے۔“
”Are you ok“ نشاہ نے ڈرتے

ڈرتے ہوئے
”میں دہشتی و جسمانی طور پر بفضل خدا سو
سفید تندرست ہوں پتا ہے نشاہ عبداللہ کے ہاتھ
میں ایک امیر کی اس امیر کا ایک گلاب لہو مجھے
چھوڑ کر گزر گیا ہے اور مجھے جسے میں ہی امر کر دیا۔
اب عبداللہ مجھے نے ملے شاہ ز سے شادی ہو
یا کسی اور سے مجھے ملاں ہوگا نہ صدمہ مجھے جو عطا
ہوا ہے وہ بہت بڑھ کر ہے ہر جہز ہے ہر چیز سے
واصف علی و اصف نے کہا ہے ”زین کے خرمیں خرمیں
اگر کوئی چیز آسانی ہے تو وہ محبت ہے یہ عطا ہے
نصیب ہے بلکہ بڑے نصیب کی بات ہے“ اور
میرے نصیب سے ہر کسی مٹی کی کیونکہ میں نے پا
کر بھی سب پا گئی ہوں۔“ اس کا لہجہ اور چہرہ
یقیناً خوش کے اعتقاد سے مالا مال تھا۔ نشاہ کچھ
بھٹی اور کچھ نا بھٹی بہر حال وہ خوش تھی کہ اس کی
بہترین دوست اور عزیز لڑن ایک خواب کے بحر
سے آزاد ہو گئی شام کو پاؤں یاد شاہ ز سے ڈسٹا کر
کروا کے گھر لے گئے۔ اس نے بھر پور تیاری
کے ساتھ عبداللہ کی شادی میں شرکت کی مایوں،
مہندی، بارات، ویدہ ہر فنکشن میں بڑھ چڑھ کر
حصہ لیا کیات گائے خوشیوں کی دیر پا سڑکوں کی

دعا مانیں دیں۔ اس کے اندر کی بے قرارگی کو سکون کا درملہ تو زندگی سے رویہ خود بخود مٹھیا اور پیرا ہوئے لگے۔ یہاں تک کہ کھٹکے سر اور پٹی کٹاؤں کے ساتھ اس نے شاہ زحریب کے سنگ چلتے کی رضامندی دے دی۔

رضوان المبارک کے مقدس و بابرکت مہینے کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہاں اس مہینے کی رحمتیں سمیٹنے کے ساتھ ساتھ اس کی شادی کے لئے بھی تیاریاں کر رہے تھے۔ ام عید سے چند دن پہلے پاکستان پہنچ گئی اور راتیل کے مسکراتے چہرے نادل و مطمئن انداز نے باور کرا دیا کہ وہ سبیل کی ہے اور بہت پرسکون بھی ہے۔

عید پر سارے گھر میں خوشیاں تھیں تاؤ جان کی فیملی جو کہ پاکستان شیف ہو چکی تھی وہ بھی ان خوشیوں اور ہنگاموں میں اپنوں کے درمیان تھے انجوائے کرتے ملتے ملائے ہستے ہنساتے اور اس عید کے بعد والی عید کی بھی نہایت خوشگوار گزریں اور شاد و یقین اور توجہ و خلوص کا رشتہ راتیل اور شاہ زہر کے سچ ایک انتہائی قریبی و جذباتی تعلق میں بدل کر مضبوط ہو چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو کچھ جتنائے اور سائے بغیر بہت سبک روی سے زندگی گزارتے گئے اپنے بچوں کو پالتے اچھے ماحول و ذہن کو بنا دے وقت ماہ و سال میں گزارتا بہت سے سال بھلا لگا ایک با بھر اسی موڑ پر آ گیا یہاں زندگی پہلے بھی ایک قیامت سے برہنہ پاکر گزر چکی تھی۔

راتیل اور شاہ زہر نے اپنے چاروں بچوں کو بہت محبتوں اور توجہ سے پر دیا، پڑھایا، پڑھایا پھر ان کے ہمسفر بننے کا وقت آیا تو بڑی بیٹی کا رشتہ اہم کے بیٹے سے طے کر دیا۔ راتیل نے اپنی خواہش و صورت بینی میرب کو جب بتایا کہ وہ حالہ کے بڑے بیٹے زین سے منسوب ہو رہی ہے تو میرب نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا تھا۔

”ماما یہ شادی اور ملتی وغیرہ کی نہیں سکتی“
”کیوں بیٹی چپ کہہ زین العادین تمہارے پایا کو مجھے یا سب کو بہت پسند ہے وہ بہت اچھا ذہن لڑکا ہے۔“
”ماما میں زین سے شادی نہیں کر سکتی۔“

میرب بولی۔
”وائے۔“ راتیل کے انداز میں سختی در آئی۔

”وہ..... وہ میرا کلاس فیلو ہے۔ شیغم۔“
میرب کے ایک ہی فقرے نے راتیل کو ساکت کر دیا۔

”ماما میں اس کے بغیر مر جاؤں گی بہت محبت کرتی ہوں میں اس سے۔“ میرب نے بہت انداز میں راتیل کا کندھا ہلا کر کہا۔
”وہ..... وہ میرا کلاس فیلو ہے۔ شیغم۔“
مشکل۔ یہ میں جنس آپ کی خواہش و زبان کا پاس کرتے ہوئے خود کو دہلی زندگی گزارنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔“ میرب پھر بولی۔

”Get out دفعہ ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔“ راتیل اچانک پورے زور سے چلائی۔

”تم اتنی بڑی نہیں ہو کہ اپنے فیصلے خود کرنے لگو تمہاری زندگی میں جو ہوگا میری مرضی سے ہوگا سنا تم نے۔“ شیغم نے اس کا بچہ کر زہا تھا۔ میرب باپ کے سینے سے کی ماں کو حیرانی و پشیمانی سے دیکھ رہی تھی۔

”شاہ زہر مجھ اؤ سے جھینپیں اتنی ارزاں نہیں ہوتیں کہ ہاتھ بڑھانے پر مل جائیں اور اسے کیا پتا محبت سے کس چیز یا کام یا یہ چلے بہت لینے زین کو گناہگار اور شوہر صرف زین کیونکہ آپ یا کو زبان دے چکی ہوں۔“
”اور میں اپنے دل کا کیا کروں گی؟ میں تو دل و جان سب دے چکی زبان موت یا علم الہی تو نہیں کہہ دیا میں نہ ہو سکے۔“

میرب کی خاموش نگاہوں نے کھو گیا۔
”میرب تم اسے کمرے میں جاؤ۔“ شاہ زہر نے بیٹی کو لے کر اپنی نظروں سے دیکھ کر کہا اور آگے بڑھ کر راتیل کے ہاتھ تھامے بالکل اسی طرح جیسے بھی عبداللہ جہاں نے کیا تھا۔

”DO not mention it سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس بات کا عمل بھی نکل آئے گا۔“
شاہ زہر کے الفاظ پر اس نے کہا۔

”وہ ایسا کیوں کہہ گی ہماری بھینٹوں میں کہاں کی بھی جو اس نے چور دروازہ کھول لیا اور میں اس لڑکے کا خون بی جاؤں گی جس نے میری بیٹی کو روغایا۔“ وہ شدید ہٹھک رہی تھی۔
”ماما میں شیغم سے بھارے کا قہر نہیں اس کے تو فرشتوں کو بھی اس کی نظروں کا چہرہ کا علم نہیں ملا وہ تو اتنا شریف اور سکھنا ہوا لڑکا ہے کہ کبھی باوا جو اپنی کلاس ٹیوٹر سے مخاطب نہیں ہوتا اور اپنی کو تو اس نے شاید نظر بھر کر دیکھا بھی نہ ہوگا۔“ یہ راتیل کی چھوٹی بیٹی صبا بھی جو اس کا گھر میں جہاں میرب اور شیغم بڑے تھے زیر تعلیم تھی۔

راتیل کے وجود میں زلزلہ سا آگیا کی اس ساتھیں سناؤں میں گھر گئیں۔
”ماما اسے بہت سمجھایا ہے وہ سمجھے اور سوچنے کی بہت حد سے بہت لگن بھی پائی شیغم اب صرف خواہش اور محبت نہیں جنون ہے چکا ہے۔“
میرب آئی کی۔“ راتیل نے بے اختیار ہو کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپایا جیسے اس کا چہرہ میرب کے چہرے میں گھل رہا ہو یا میرب کے وجود سے ایک اور راتیل نکل کر سامنے آ چکی ہو۔

”کیا عبداللہ جہاں اور راتیل فیہر کے کرداروں نے شیغم اور میرب کے روپ میں جنم لیا ہے؟ محبت کے تپ و دہی کہاں تو ہم نے نا عمل ہونے کے باوجود اچھے انجام تک لا کر چھوڑی تھی مری دامنڈ ہونے لگی ہے اور اس کہاں میں راتیل جہاں کا بک لیا کر رہوگا۔“

راتیل اتنے بہت سے سال تمہاری رفاقت میں گزارا اس عمر میں کوئی سچ بھلا کہہ کر میں نہیں دھک دیتا نہیں چاہتا میں بالکل تو تم بھی تھیں اور بے نیاز تو عبداللہ بھی تھا۔“
راتیل کو لگا سب کچھ کم ہو گیا وہ شاہ زہر کو

خبر پہنچتی تھی مگر جنوں بھی بھلا سے خبر رہنے دیتا ہے کس کو پھر اس کو جو سب روز کی خبر جنوں کا سہی ہو۔

”میں تم سے نبھاتا گیا کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے بے حد محبت اور میری محبت نے خود کو تمہاری زندگی میں آخری تریخ بننا بھی گوارہ کر لیا مجھے بھی کسی نہیں ہوا کہ تم میرے بازوؤں میں ہو کر عبداللہ کو سوجھ رہی ہو یا میرے سینے پر سر رکھ کر عبداللہ جمال کے گیس کو چھوئے سے میں بگائے ہو رہی ہوں۔ میری محبت ان چیزوں سے دور اصراف دینے کے جذبے سے سرشار رہی ہے۔ تم خوش قسمت ہو رائیل کہ تمہاری زندگی میں وہ مرد آئے۔ دونوں خالص اور جنوںی محبت کر گئے تم کے لیکن ضروری نہیں کہ زمین میری طرح ہی وسیع القلب ہو اور میرے تمہاری طرح صرف لئے میں سیراب ہو جائیے والی لڑکی ہو اور یہ میری ضروری نہیں کہ شیم و ادنی اتنا ہی مجبور ہو جس اور بے

نواز وہ سبھا کہ عبداللہ تھا جب قیاس کچھ بھی کہہ سکتا ہے تو ہم اپنی بنی کو کیوں دلدل میں ڈالیں جب کہ وہ خوشنار استوں کا نشان دیکھ چکی ہے۔ اگر شیم میرے میں اسٹنڈ ہو تو ہمیں انہیں ملانا ہے۔“ شاہ زرخشی اتنا نہیں بولا جتنا آج بول رہا تھا اور آٹائیں کیا جواب دہی میں بھیجے کہ ان کا دل نہیں کھاتا اور رائیل مسلسل پریشانی میں تھی۔

”وہ آپا سے نہیں زمین سے بات کریں گے وہ آج کے دور کا لڑکا ہے یقیناً سمجھ جائے گا کہ ایک ایسی لڑکی جس کے دل وہ زمین پر کوئی اور سوار ہے وہ اس کے ساتھ بھی خوش نہیں رہ سکتا۔“ شاہ زرخشی سے بولے۔

”زمین اس بات کو انا کا مسئلہ بھی بنا سکتا ہے۔“ رائیل خود بخود بولی۔
”ایسا یقیناً نہیں ہو۔“ شاہ زرخشی یقین تھا۔ پھر رائیل نے سوچا کہ کتنے دن تک وہ میرے کے معمولات پر پھٹی رہی اور پھر بجائے زمین اور

انہم سے مل کر میرے متعلق بتانے کے وہ ایک دن اچانک شیم سے ملی۔ شیم کو اتنا اچھا تھا کہ اسے رد کرنے جانے کا خیال بھی نہیں آ سکتا تھا۔ شیم جو بولتا تھا تو راہ چلتے چلے مڑ کر دیکھتے۔ شیم جس کے سب مداح تھے۔ شیم جو عبداللہ جمال کا بیٹا تھا اس کے سامنے تھا جس کے خدوخال اور قد کاٹھ مردانہ وجاہت کا مظہر بولتا بیٹھ تھا۔ سی ایس ایس میں کامیاب ہو کر انیس ایس بی سیٹ پر گزری تھی۔ پھر انیس ایس بی سیٹ میں رائیل نے لکھ کوئی الامکان سب سے روکتے ہوئے میرے کے لئے آنے والے پر پولز کا ذکر چھیڑا اور زمین کو فائل کیے جانے کا امکان بھی بتا دیا۔ شیم نے جس طرح چونک کر رائیل کو دیکھا پھر پریشانی سے چہنچہ سے فوراً اٹھ کر ایک چکر کاٹا رائیل جان کی کہ وہ میرے کے لئے سوچتا ہے اور مجھ کو ایسے سوچتا ہے کہ میرے کے لئے کسی اور کا تصور بھی اسے تکلیف دیتا ہے۔

”آخری آپ میرے کے پر پولز میں ایک اور پر پولز کا اضافہ کر لیں شیم عبداللہ کے پر پولز کا میرے پر پولز آپ سے بات کرنے آن تھی آ شیم کے جائز انہیں انکار نہ کیجئے گا۔“ شیم نے الفاظ نے رائیل کو مشتاک کر دیا اس نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے شیم کی روش پریشانی پر اصرار نہ کیا۔

”مجھے تمہارا پر پولز منظور ہے تم اپنے پر پولز کو ضرور دیکھنا مگر رشٹ طلب کرنے نہیں تمہاری اور میرے بیچ رشٹ نہیں جس کرنے کے لئے۔“

بڑی جاندار مسکراہٹ ابھری جو بڑھ کر پورے وجود پر چھائی۔
”تھینک ڈو“ میں نے شیم سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ رنہ صبا کی بات کو لے کر چلتی ڈا جانے میں دو دلوں کو ٹوڑنے اور منزل رختی۔ اور کرنے کا موجب بن جاتی۔ ا۔۔۔ مجھے تو عبداللہ

جمال کی خواہش کا اجر جتنا ہے اجر کبھی سزا نہیں بنائی کے لئے۔“
وہ وہی کے سفر میں کل پر سکون اور مطمئن تھی اب زمین اور انہم آتی کا خیال انہیں قائل کرنا سب آسان تھا اور ادنی یہ آسان تھا کیونکہ زمین نے شیم کا ستنے ہی کیا۔
”خالد مجھے یقین نہیں آ رہا قدرت نے میرا راستہ خود صاف کر دیا میں اپنی پچھو کی بنی میں ایس ایس میں کامیاب ہو کر انیس ایس بی سیٹ پر گزری تھی۔ پھر انیس ایس بی سیٹ میں رائیل نے لکھ کوئی الامکان سب سے روکتے ہوئے میرے کے لئے آنے والے پر پولز کا ذکر چھیڑا اور زمین کو فائل کیے جانے کا امکان بھی بتا دیا۔ شیم نے جس طرح چونک کر رائیل کو دیکھا پھر پریشانی سے چہنچہ سے فوراً اٹھ کر ایک چکر کاٹا رائیل جان کی کہ وہ میرے کے لئے سوچتا ہے اور مجھ کو ایسے سوچتا ہے کہ میرے کے لئے کسی اور کا تصور بھی اسے تکلیف دیتا ہے۔

”آخری آپ میرے کے پر پولز میں ایک اور پر پولز کا اضافہ کر لیں شیم عبداللہ کے پر پولز کا میرے پر پولز آپ سے بات کرنے آن تھی آ شیم کے جائز انہیں انکار نہ کیجئے گا۔“ شیم نے الفاظ نے رائیل کو مشتاک کر دیا اس نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے شیم کی روش پریشانی پر اصرار نہ کیا۔
”مجھے تمہارا پر پولز منظور ہے تم اپنے پر پولز کو ضرور دیکھنا مگر رشٹ طلب کرنے نہیں تمہاری اور میرے بیچ رشٹ نہیں جس کرنے کے لئے۔“

بڑی جاندار مسکراہٹ ابھری جو بڑھ کر پورے وجود پر چھائی۔
”تھینک ڈو“ میں نے شیم سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ رنہ صبا کی بات کو لے کر چلتی ڈا جانے میں دو دلوں کو ٹوڑنے اور منزل رختی۔ اور کرنے کا موجب بن جاتی۔ ا۔۔۔ مجھے تو عبداللہ

پر شگلیں مسکراہٹ تھی۔ شیم اب اسے مہندی والے خیال پر لئے آگے بڑھا۔ میرے مہندی لگوانے لگی تھی اور شیم سینے پر بازو لپیٹے اسے محویت سے دیکھ رہا تھا۔
رائیل نے بچی خوشی سے لبریز بھر پور مسکان لے انے منتظر کو دیکھا اور خوشیوں کی عمر طویل ہونے کی دعا کی۔

”اپنی بنی کا ساتھ دینے کا میرا مشورہ ٹھیک تھا نا۔“ شاہ زرخشی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
”اور شیم سے ملنے کا میرا فیصلہ بھی ٹھیک تھا نا۔“ رائیل نے لپکس اٹھائیں۔
”ہوں۔“ اور شیم خوشی کے چند کے اپنے

داسن سے اٹھا کر اس چاندنات کے ماتھے پر بچا دیں ہماری زندگی پر ہمارا بھی حق ہے۔“
رائیل نے بجا جھک شاہ زرخشی کے کندھے سے سر کا کر سوجھا تھا۔
”والدین کو لاوا اور کوشورہ دینا ان کا برا بھلا ضرور سوچنا چاہیے لیکن اپنے فیصلے اولاد کی مرضی اور خوشی کو بہت ہی پشت ڈال کر مسلط نہیں کرنے چاہیں ورنہ زندگی سے خوشیاں اور جینے کا احساس روکھ جائے گا۔“

رائیل نے شاہ زرخشی کے ہمراہ زندگی کی روشن شاہراہ پر قدم اٹھاتے ہوئے مڑ کر دائیں جانب دیکھا وہاں شیم میرے کے ہاتھوں میں بھرے پہنچا رہا تھا وہ اپنے راستے پر مڑی تو شاہ زرخشی نے سب اسے تروتازہ بھرے لئے کھڑا تھا رائیل نے سائل کی دہن کی طرح جیا خوشی کا تاثر میں لپٹ کر ہاتھ آگے کر لئے چن اچلا پیار بھار بن کر ہبک اٹھا۔

اسے یقین تھا یہ عید اور اپنے والی عیدیں میرے اور شیم کے لئے بہت قیمتی خوشخوار اور چاتوں بھری زندگی لئے ہوئے ہیں۔